www.novelsclubb.com
رعد
از قلم عشاء افضل
Follow us!
Insta:@novelsclubb
FB: Novelsclubb
YouTube:@readwithlaiba

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

رعد

از قلم

عشاء افضل

www.novelsclubb.com

رعد

از قلم عشاء افضل

قسط نمبر 7

وہ زخرف تھی۔۔۔وہ اسے چھو کر سونا کر رہی تھی۔

وہ حدید تھا۔۔۔وہ اس کے چھونے سے سونا ہو رہا تھا۔

ہسپتال کے سرد ماحول میں اچانک حرارت در آئی تھی۔ٹھنڈا فرش بھی ان کی توجہ اپنی جانب مبذول نہیں کر پا رہا تھا۔سفید بتیوں سے جگمگاتا یہ حصہ روشن اور سنسان تھا۔اکا دکا ہی کسی شخص کا گزر یہاں سے ہو رہا تھا۔سردی کے باعث گرم لباس زیب تن کیے ان دونوں کی توجہ ایک دوسرے کی جانب منعطف تھی۔سفید پری کا سرد ہاتھ حدت پہنچاتے ہاتھ پہ دھرا تھا۔وقت ٹھہر چکا تھا۔لمحات تھم چکے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

تھے۔سانس ساکن ہوئی تھی۔ان کی آنکھیں ایک دوسرے کا عکس جھلملا رہی تھیں۔وہ قدیم زمانے کے دو بت معلوم ہو رہے تھے جنہیں ایک دوسرے میں محو دیکھ لوگ تھم کر دیکھتے۔پھر قیاس آرائیاں کرتے گزر جاتے۔کوئی انہیں محبت کی مثال کہتا تو کوئی بد قسمت مورت جن کا ملاپ ممکن نہ ہو سکا۔

ایک بت کی آنکھوں میں محبت تھی تو دوسرے کی آنکھوں میں بے بسی۔

محبت کرنے والے نے بے بس وجود کو سنبھالنے کے عوض اپنی بے بسی کا سودا کیا تھا۔مگر بے بس وجود اس سے یکسر بے خبر تھا۔

وقفے وقفے سے گزرتے راہ گیر ایک نظر ان پہ ڈال کر گزر رہے تھے۔اپنے انتہائی قریب محسوس ہوتی قدموں کی چاپ پہ قدیم زمانے کے ایک بت نے سر اٹھایا۔

سکتہ ٹوٹا۔حرارت ختم شد۔

دوسرے بت نے پہلے کی نظروں کی پیروی کی تو کسی راہ گزر کو راہ پہ جامد پایا۔

پہلے بت نے اس شخص کو راہ گزر کی فہرست سے نکالتے کھڑا ہونا چاہا تو سابقہ راہ گزر نے اپنی چوڑی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی۔ جیسے اسے یقین ہو کہ وہ اس کا ہاتھ تھام لے گی۔ جیسے وہ جانتا تھا وہ اسے رد نہیں کرے گی۔اس نے بلا تردد حدید کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹاتے آنے والے کے ہاتھ میں دے دیا۔ لمحوں کا کھیل تھا اور زمین پہ دوزانو ہو کر بیٹھا حدید عالم اپنے خالی ہاتھ کو دیکھتا رہ گیا۔ وہ لمس جو اسے جنت میں لے گیا تھا اس لمس کے چھوٹتے ہی وہ واپس دنیا میں لوٹا۔ حرارت بھرے ہاتھ سے سرد لمس چھوٹ گیا تھا۔ مگر نقصان کس کا ہوا تھا؟ سرد لمس کا یا پر حدت لمس کا؟

www.novelsclubb.com

وہیں نو وارد نے نرمی سے اس کے سرد ہاتھ کو تھامتے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ اس کے اٹھنے کے انداز میں برق رفتاری تھی گویا وہ جلد از جلد مقابل سے ہم کلام ہونے کی خواہش مند ہو۔ مقابل نے اس کی جلدی محسوس کی تھی یا نہیں مگر حدید کر چکا تھا۔ گردن موڑے ان دونوں پہ نظر ٹکائے وہ قدیم زمانے کا بت ساکت

تھا۔ مگر اندر اٹھتا جذبات کا سمندر بے کراں تھا۔ اور اندر کے جذبات ہی تو انسان کو بے قابو کرتے ہیں۔

"سونا"

وہ اس کے سامنے کھڑی ہوئی تو مقابل اس کی جھلکتی آنکھوں میں دیکھتا لہجے میں محبت کی چاشنی گھولے بولا۔ اس کی گہری سرمئی آنکھوں نے نور کے عکس کو خود میں سمویا۔ اس عکس میں ایک ٹوٹی بکھری لڑکی دکھائی دی جس کو دیکھنا اس کے لیے سوہان روح ثابت ہوا۔ اس کی سونا کی یہ حالت کرب ناک تھی۔ اسے دکھ ہو رہا تھا۔ بلکہ یہ کہنا ٹھیک تھا کہ اسے اذیت ہو رہی تھی۔ وہ اپنے چہرے پہ آنے والے پریشان تاثرات چاہ کر بھی چھپا نہیں پا رہا تھا۔ حالانکہ اسے سونا کی ہمت بندھانی تھی۔ آخر وہ اپنی انا توڑ کر صرف اس کے لیے پاکستان لوٹا تھا۔ کیونکہ اس کی دوست کو اپنے دوست کی ضرورت تھی۔

www.novelsclubb.com

وہیں سونا کی نگاہیں اس کے چہرے پہ ٹھہر گئیں۔ وہ بدل گیا تھا۔ وہ، وہ نہیں دکھ رہا تھا جس کو اس نے مہینوں پہلے پاکستان میں دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پہ کچھ نئے جذبات جھلک رہے تھے۔ جن کو سمجھنے سے فلحال وہ قاصر تھی۔

"برہان"

مہینوں بعد اس کو اپنے سامنے دیکھتے اس نے متزلزل ہوتے یقین سے اسے پکارا۔ ذہن اب تک پیغام رسائی کر رہا تھا کہ یہ فقط سراب بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اچانک یہاں کیسے آ سکتا ہے؟ مگر برہان نے دھیما سا ہاں کہتے اسے یقین دلایا کہ وہ وہم نہیں، حقیقت ہے۔ وہ سراب نہیں، سایہ ہے۔ وہ اس کے ساتھ تھا، ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ اس کا دوست، اس کا کزن، اس کا ہمدرد، اس کا غم خواں، اس کا راز داں برہان کمال تھا۔ اور وہ برہان کمال کی سونا۔

"برہان تم آ گئے۔"

www.novelsclubb.com

وہ بے یقینی کی کیفیت میں مدھم آواز میں بولی۔جذبات الجھن کا شکار ہو رہے تھے۔اسے بالکل امید نہیں تھی کہ وہ واپس آجائے گا۔پہلے حدید کی آمد نے اسے جھٹکا دیا تھا اور اب برہان کا آنا اس کے لیے غیر متوقع تھا۔

"ہاں میں آگیا۔"

برہان نے اس کے چہرے پہ لکیر بناتے آنسو کو اپنے ہاتھ سے پونچھتے ہوئے ہلکا سا مسکراتے ہوئے جواب دیا جس پہ وہ اس سارے واقعے میں پہلی بار مسکرائی۔البتہ مسکراہٹ چندپل کی ثابت ہوئی تھی مگر یہ چندپل کسی کے دل پہ گہرا وار کرنے کو کافی تھے۔زخرف کے چہرے پہ برہان کی انگلیوں کے لمس نے حدید کو سلگتی آگ میں دہکا یا۔

"میں اپنی سونا کے لیے واپس آگیا۔"

اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی حدت سے گرمی پہنچاتے وہ تحفظ کا احساس دلاتے بولا تو زمین پہ بیٹھے اس بت کی برداشت ختم ہونے کو ہوئی۔

حدید زمین پہ ہاتھ رکھ کر سہارا لیتے ہوئے بمشکل زمین سے کھڑا ہوا۔ یہ منظر اس کے جسم میں سوئیاں چبھو کر چھید کر دینے کو کافی تھا۔

حالانکہ وہ اپنے مرد دوستوں کے ساتھ ویڈیوز بناتی تھی، فلم کو ریکارڈ کرواتے ہوئے اس نے اس کے ساتھی ایکٹر کو اسے چھوتے دیکھا تھا مگر یہ؟

یہ ناقابل برداشت تھا۔ کیوں؟

کیونکہ وہ اداکاری تھی جو وہ کرتی تھی مگر یہ حقیقت تھی جو رونما ہو رہی تھی۔

کیا برہان کمال، زخرف نور کے لیے اتنا اہم تھا کہ وہ اس کی موجودگی پہ سوالات کرنے کی بجائے پہلی بار مسکرائی تھی؟

اس نے حدید کے آنے پہ اعتراض کیا تھا جبکہ برہان کے آنے پہ وہ پر سکون ہو گئی تھی۔

اس کے کھڑا ہونے سے ان کے درمیان ایک خلل محسوس ہوا تو برہان نے ایک نظر اس ثانوی وجود پہ ڈالی جو ان کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔اس نظر میں کاٹ تھی۔ یوں جیسے اسے حدید کی موجودگی سخت ناپسند آئی ہو۔اس اجنبی کے ہاتھ میں اپنی سونا کا ہاتھ دیکھ کر وہ بمشکل ضبط کر گیا تھا۔زخرف نے برہان کی نظر کے تعاقب میں دیکھا تو حدید کو کھڑا پایا۔وہ کن انکھیوں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔مگر وہ اس وقت ان تاثرات کو سمجھنے سے قاصر تھی۔حدید کو دیکھ کر وہ سوچ کر رہ گئی کہ آخر وہ اس کے وجود کو اتنی جلدی فراموش کیسے کر گئی۔

آہ۔۔۔وہ حدید کو تو بھول ہی چکی تھی۔اور یہ بات حدید جان چکا تھا کہ برہان کمال کے سامنے وہ اسے بھول گئی ہے۔

کیسا تھا وہ شخص جس نے پل بھر میں حدید عالم کو صفر کر دیا تھا۔

وہ دونوں مرد ایک دوسرے کو عجیب نظروں سے گھور رہے تھے۔

ان دونوں کے اندرونی جذبات سے یکسر بے خبر وہ اپنی ہی دھن میں بولی۔

www.novelsclubb.com

"برہان یہ۔۔۔"

اس نے حدید کا تعارف کروانے کے لیے مناسب لفظ سوچنے کے بعد بولنا شروع کیا مگر برہان نے اگلا جملہ کہتے اس کے الفاظ منہ میں ہی رہنے دیے۔

"یہ جو کوئی بھی ہے یہ اہم نہیں ہے۔ تم مجھے پھوپھو کے بارے میں بتاؤ سونا"

اس نے نہایت بدسلوکی سے کہا جس پہ زخرف نے حیران کن نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ اتنا اکھڑا ہوا کیوں بولا تھا۔ مگر پھر اس نے اس کے رویے کو فراموش کیا۔ اس نے حدید سے نہیں کہا تھا کہ وہ یہاں آئے۔ اگر وہ نہ آتا اور اس کی ماما اس کی بجائے نور کو دیکھتی تو جو باتیں انہوں نے حدید کے لیے کہیں وہ سب نور کے لیے ہوتیں۔ حالانکہ یہ اس کی ہی خام خیالی تھی۔ کہیں نا کہیں وہ حدید عالم کو ہی اس مشکل کا سبب مانتی تھی۔ اس نے اپنی توجہ اپنے دوست کی جانب مرکوز کی۔ جبکہ حدید عالم کے لیے خود پہ ضبط کرنا مشکل ترین ثابت ہونے لگا۔ مگر وہ ایک اداکار تھا اور اداکاروں کو اداکاری کرنی آتی ہے۔ اس نے اپنے جذبات پوشیدہ رکھتے چہرے

کے تاثرات بالکل نارمل رکھے۔ وہ برہان کمال تو کیا کسی کے سامنے بھی خود کو عیاں نہیں کر سکتا تھا۔ کبھی بھی نہیں۔

"سونا! پھوپھو کے بارے میں بتاو۔" اس نے نور کا رخ اپنی جانب موڑتے اسے اپنی طرف متوجہ کیا جو حدید کو دیکھتے ہوئے اپنے ہی خیالات کی دنیا میں گم ہوئی تھی۔ مگر اس کی آواز پہ اپنی منتشر سوچوں کو یکجا کیا، الفاظ ترتیب دیے اور اپنے احساسات بیان کرنے لگی۔

"تم جانتے ہو ماما۔۔۔" وہ نم لہجے میں سارا حال احوال بیان کرنے لگی۔ برہان فکرمندی سے اسے سننے لگا۔ وہ اس کو کندھوں سے تھامے کرسیوں کی قطار میں جڑی دو کرسیوں کی طرف لے کر گیا۔ اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے برابر بیٹھ گئے۔ وہ بول رہی تھی اور وہ مجسم سماعت بنا ہمہ تن گوش تھا۔ وقفے وقفے سے وہ اشک بار ہو جاتی اور وہ اس کے آنسو پونچھ دیتا۔ اسے اس کا پسندیدہ سامعین مل چکا تھا۔ وہ جس سے وہ دل کی ہر بات کہہ دیا کرتی تھی۔ وہ جس سے کچھ نہ چھپاتی

تھی۔ وہ جو اس کا ہمدرد تھا۔اور اس سب میں وہ اس حدید کو فراموش کر چکی تھی جو صرف اس کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال کر لوٹا تھا۔اپنی روح پہ دوبارہ زخم لگانے آیا تھا۔اپنے عہد کو فراموش کر کے مشکلات کا سامنا کرنے آیا تھا۔

اس کے دل میں شور اٹھنے لگا۔ذہن عجیب عجیب خیالات بننے لگا۔وہ اس انسان کو یہاں سے غائب کر دینا چاہتا تھا۔وہ ایک لمحے میں لائم لائٹ میں آ گیا تھا اور حدید ایک لمحے میں پس منظر میں گم ہو گیا تھا۔

ایسی عجیب صورتحال میں وہ مزید یہاں نہیں رک سکتا تھا۔وہ مڑا اور چلتا گیا۔یہاں تک کہ وہ زخرف نور کی نظر کی حدود پار کر گیا۔

پیچھے برہان رہ گیا اور اس کی سونا۔

☆☆☆

برلن کے ایک خوبصورت مقام پہ واقع اس بیش قیمت گھر کے باہر ان کی گاڑی آ کر رکی۔گاڑی سے باہر نکل کر اسے لاک کیا۔پھر بڑے دروازے کے ساتھ موجود

بیل بجا کر انتظار کرنے لگے۔ وقتاً فوقتاً وہ اپنے فون پہ بھی نگاہ دوڑاتے رہے۔ دو سے تین منٹ کے انتظار کے بعد دروازہ کھلنے کی آواز پہ انہوں نے فون سے سر اٹھا کر سامنے دیکھا جہاں ان کی بھتیجی کنزہ کھڑی تھی۔ اس کو دیکھتے ان کے چہرے پہ مسکراہٹ عود آئی۔ وہ ان کے بھائی کی اکلوتی اولاد ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی بھی اکلوتی بھتیجی تھی۔ اس سے محبت تو ان کے خون میں شامل تھی۔ چچا کو دیکھ کر کنزہ کے چہرے پہ قدرے حیرت کے تاثرات عیاں ہوئے۔ جیسے ان کی اچانک آمد اس کے لیے غیر متوقع ثابت ہوئی ہو۔

"چچا! کیسے ہیں آپ؟ بہت دنوں بعد چکر لگایا۔"

www.novelsclubb.com

مراد وجدانی سے سلام دعا کر کے وہ معصوم سا شکوہ بھی کر بیٹھی۔

سادہ سی ٹی شرٹ کے ساتھ کھلا ٹراوزر پہنے ہوئے کنزہ غالباً سونے کی تیاری میں تھی۔ مراد کو لگا شاید وہ غلط وقت پہ آ گئے ہیں۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا۔ سوری لگتا ہے میں نے آپ کی نیند خراب کر دی۔"

اپنی خیریت سے آگاہ کرنے کے بعد وہ شرمندہ سے بولے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ہاں لیکن آپ کو اس وقت پولیس وردی میں ہمارے گھر آتا دیکھ مجھے کچھ کھجلی ہو رہی ہے۔"وہ مسکرا کر ان کو چھیڑتے ہوئے بولی تو مراد ہنسے۔اسے سنے والے کو شرمندگی کے احساس سے نکالنا آتا تھا۔

"ہاں دیکھنا کہیں کسی کو گرفتار ہی نہ کر لوں۔"وہ بھی مصنوعی دھمکی دیتے ہوئے رعب دار لہجے میں بولے۔

"آپ کا بھروسہ بھی نہیں ہے۔"اس نے سچائی سے کہا۔مراد وجدانی کی ایمانداری سے کون واقف نہیں تھا۔

"اچھا پیپرز کیسے ہوئے تمہارے؟افان بتا رہا تھا کہ تمہارا سمسٹر بریک شروع ہو چکا ہے۔"مراد نے اپنی بھتیجی کے گرد بازوؤں کا گھیرا بنا کر اس کے بالوں پہ بوسہ دینے کے بعد اندر کی طرف بڑھتے استفسار کیا۔

"افان میری خبریں آپ تک پہنچاتا ہے۔اٹس ناٹ فئیر" وہ چلتے قدموں کو ساکت کرتے منہ بنائے بولی تو مراد مسکرائے۔ایسی حرکات کرتے ہوئے وہ چھوٹی بچی لگتی تھی۔

"تو کیا افان کو نہیں بتانا چاہئے تھا؟" انہوں نے سوالیہ انداز اپنایا۔

"بالکل نہیں۔میرے چچا کو میرے بارے میں خود مجھ سے پوچھنا چاہئے۔"

ناراضی بھرا لہجہ تھا۔اسے افان کی یہ حرکت بالکل نہ بھائی تھی۔اور چچا پہ مان کی بھی نشاندہی عیاں تھی۔

"چچا مصروف ہوتے ہیں اس لیے پوچھ ہی نہیں سکے۔" انہوں نے اپنے تئیں صفائی دینے کی کوشش کی۔

"اور چچا کا بیٹا زیادہ ہی فارغ رہتا ہے۔" وہ غصے بھری آواز میں پر شکوہ بولی تو مراد بے ساختہ ہنسے۔وہ یقیناً افان سے ناراض ہو چکی تھی۔اور اس کا عتاب افان پہ برسنے کو تیار تھا۔جانے کیسے لیکن افان اس کا ہر عتاب سہہ بھی جاتا تھا۔

"اس کی مصروفیت کے لیے کچھ تلاش رہا ہوں۔" اچانک وہ گہری سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"اسے حدید سے ہی کچھ سیکھ لینا چاہئے۔ مجال ہے جو وہ کبھی فارغ رہ لے۔ قیامت ہی نہ آجائے اگر میں اسے کسی روز سکون سے مکمل چھٹی کرتا دیکھوں۔" محبت بھرے الفاظ اور نرم انداز سے اس کا ذکر کرتے وہ اس کے تخیل کو بھی دیکھ سکتی تھی۔ حدید کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ رکتی نہ تھی۔ بس بولتی ہی جاتی تھی۔ وہ اس کا پسندیدہ ذکر تھا۔

"تم جانتی تو ہو وہ حدید سے خاصا چڑتا ہے۔" انہوں نے صاف گوئی سے کہا کیونکہ وہ اپنے بیٹے کی رگ رگ سے واقف تھے۔

"یہی بات تو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ کوئی حدید سے کیسے بے رخی برت سکتا ہے؟" وہ کھوئی کھوئی بولی۔ مراد وجدانی نے اس لڑکی کو کسی اور ہی دنیا میں گم پایا۔ اس کا یہ

لہجہ، یہ انداز، یہ جملہ، یہ الفاظ انہیں خوفزدہ کرنے کو کافی تھا۔ وہ بچے نہیں تھے جو الفاظ کی حدت اور تشنگی کو پہچان نہ پاتے۔

ان کی آوازوں سے کسی کے ورق گردانی کرتے ہاتھ تھمے تھے۔

"مراد آیا ہے کنزہ؟" کمرے سے ابراہیم وجدانی کی آواز سنائی دی۔ غالباً وہ دروازے پہ ہونے والی بیل سے اندازہ لگا چکے تھے کہ کوئی آیا ہے۔ اور اب قریب سے آوازیں سنتے وہ نووارد کا اندازہ بھی لگا چکے تھے۔ کنزہ اپنے باپ کی آواز پہ حقیقی دنیا میں قدم رکھتے متوجہ ہوئی۔

"جی ہاں آپ کے بھائی آئے ہیں۔ جن کا بیٹا ادھر کی باتیں ادھر بتاتا ہے۔" اس نے باآواز بلند اچھا خاصا تعارف کروایا تو اپنی ہی سوچ میں غرق مراد نے بمشکل چہرے پہ مسکان سجائی۔

وہ دونوں ابراہیم کے کمرے پہ دستک دیتے اندر آئے تو ابراہیم کو بیڈ پہ ٹیک لگا کر بیٹھے ہاتھوں میں کتاب تھامے پایا۔ان کی آمد پہ انہوں نے کتاب اوندھی کر کے سائیڈ میز پہ رکھ دی۔

"آپ کی بیٹی بہت بے مروت ہوتی جا رہی ہے۔" وہ چھوٹتے ہی مصنوعی سنجیدگی اور ناراضی سے بولے۔

"کیا کروں یہ سب حدید کی صحبت کا اثر ہے۔" انہوں نے ان کی مصنوعی ناراضی کو پہچانتے کندھے اچکا کر سارا الزام حدید کے سر ڈالا۔ویسے تھا بھی پرفیکٹ الزام!

"اس حدید کے بچے کی ساری بے مروتی میرے سامنے کہاں غائب ہو جاتی ہے۔" ون سیٹر صوفہ پہ بیٹھتے ہوئے بغیر لگی لپٹی کے کہا۔ جس پہ ابراہیم مسکرائے۔وہ جانتے تھے حدید لاکھ بے مروت ہو مگر ان کے معاملے میں وہ انتہا کا کئیرنگ تھا۔

"آپ پولیس والے ہیں اور پولیس والوں سے ڈرنے میں ہی بھلائی ہے۔کیوں بابا؟" چچا کی بات سے بات بنائی اور اس سب میں شرارتی انداز اپناتے مسکرائی۔

"تم بھی ڈر جاو پھر" وہ مصنوعی خفگی سے بولے۔ ابھی تو وہ انہیں جھاڑ رہی تھی اور ان کے بیٹے کی بھی خبر لینے کا ارادہ کیے بیٹھی تھی۔

"میں تو خود پولیس والے کی بھتیجی ہوں۔ مجھ پہ ڈر سوٹ نہیں کرے گا۔" اکڑا کر کہتے ہوئے اس نے فرضی کالر جھٹکے۔ البتہ انداز شریر تھا۔ جن بچوں سے لاڈ پیار کیا گیا ہو اور جن کے ناز نخرے اٹھائے گئے ہوں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بے فکر، شرارتی، ہنس مکھ۔ ہاں لیکن خوش بخت بھی ہوں یہ ضروری نہیں ہوتا۔

"سو تو ہے۔" وہ اس کی حاضر جوابی سے متاثر ہوئے۔

"آپ دونوں باتیں کریں۔ میں آپ کے لیے ایسپریسو بنا کر لاتی ہوں۔" وہ چچا کی پسند سے بخوبی واقف تھی کیونکہ اس کے چچا نے ہی حدید کو ایسپریسو پہ لگایا تھا۔ اور حدید کی پسند، ناپسند تو اسے حفظ تھی۔

"شکریہ" وہ دروازے کی طرف بڑھی تو چچا کی آواز سنائی دی۔

"بابا دیکھ لیں پولیس والے بھی مجھے شکریہ کہتے ہیں۔" شرارتی لہجے میں گویا ہوتے وہ کمرے سے فرار ہو گئی۔ پیچھے وہ دونوں بے ساختہ مسکرائے۔

یہ لڑکی ان کے خاندان کی واحد رونق تھی۔اس کا ہنستا مسکراتا چہرہ ہی انہیں تسکین پہنچانے کو کافی تھا۔

☆☆☆

کنزہ کے جانے کے بعد مراد مکمل یکسوئی سے ابراہیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ چہرے پہ چند لمحے پہلے والی نرمی اور مسکراہٹ مفقود ہوئی۔

"یہ میں نے کیا سنا ہے بھائی؟" وہ عالم پریشانی میں مبتلا بولے۔ فکر ان کے چہرے پہ ٹھاٹھے مارے سمندر کی لہروں کی مانند موجود تھی۔ان کا انداز بے چینی سموئے تھا۔

"کیا سن لیا؟" ان کو فکر میں مبتلا دیکھ ابراہیم نے سیدھے ہوتے ہوئے پوچھا۔ نظر مراد کے چہرے کے اتار چڑھاو کا جائزہ لینے میں مشغول تھیں۔

"حدید پاکستان گیا ہے؟" جانے وہ پوچھ رہے تھے یا بتا رہے تھے ابراہیم اندازہ نہ لگا پائے۔

"ہاں" یک لفظی جواب۔ واپس بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائی۔ غالباً وہ ان کا اگلا جملہ جانتے تھے۔

"آپ کتنی آسانی سے ہاں کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ وہاں اس کی روح پہ کتنے زخم لگے تھے۔ آپ اسے تنہا کیسے بھیج سکتے ہیں؟"

وہ ان کی عقل پہ سوال اٹھاتے تفکر کے احساس کے زیر اثر اکھڑے انداز میں بولے۔ ان کے ہر انداز سے حدید کے لیے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔ انہوں نے جس حدید کو پہلی بار دیکھا تھا اسی دن خواہش کی تھی کہ وہ دوبارہ کبھی اسے ایسی حالت میں نہ دیکھیں۔ لیکن اگر پاکستان جا کر وہ دوبارہ ویسا بن گیا تو؟

"اگر وہ اس وقت یہاں ہوتا تو کہتا کہ چونتیس سالہ مرد تنہا کچھ بھی کر سکتا ہے۔" انہوں نے ان کی فکر کو پس پشت ڈالتے حدید کے حصے کا جملہ بولا۔ انداز میں کچھ فخر اور کچھ مذاق شامل تھا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا بھائی۔" انہیں ابراہیم سے اس بچگانہ رویے کی امید نہیں تھی۔ اس لیے وہ سنجیدگی سے بولے۔

"میں نے کب مذاق کیا؟" انہوں نے ناسمجھی سے کہا۔

"آپ کو اس معاملے میں احتیاط برتنی چاہیے تھی۔ پاکستان جانا اس کمزور حدید کو دعوت دے سکتا ہے جو میں نہیں چاہتا کہ وہ دوبارہ بنے۔ وہ کسی نقصان کا شکار ہو سکتا ہے بھائی۔ آپ اس سب کو اتنا ہلکا کیسے لے سکتے ہیں؟" جواز پیش کرتے کرتے وہ آخر میں سوال کر بیٹھے۔ وہ بیک وقت ستائے اور اکتائے ہوئے تھے۔

"وہ اب دوبارہ ویسا نہیں بنے گا مراد۔ فکر نہیں کرو۔ میں نے پوری عمر اسے بہادری کا درس دیا ہے۔ وہ کمزور نہیں بنے گا۔" ان کے لہجے میں چٹانوں کی

مضبوطی تھی۔پل بھر کو مراد ان کے یقین پہ خاموش ہو گئے۔پھر دھیمے اور ٹھنڈے لہجے میں بولے۔

"اسے کسی کی کمزوری بھی مت بننے دیں۔"انہوں نے سادہ سا انداز اپنایا تھا۔مگر بات انتہا کی گہری تھی۔اتنی گہرائی کہ ابراہیم نے اس میں ڈوبنے سے خوف محسوس کیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"ابراہیم نے اپنی آنکھوں کو ساکت ان پہ جماتے پوچھا۔البتہ چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

"آپ سارے مطلب جانتے ہیں۔"انہوں نے بغیر لگی لپٹی کے انہیں باور کروایا۔ابراہیم کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں مرکوز کیے حقیقت کی دنیا سے کہیں پڑے دھکیلے گئے۔مراد کی سچ بولنے کی عادت انہیں یونہی سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن کردیا کرتی تھی۔

دروازے کے کھلنے کے ساتھ ہی کنزہ اندر آئی۔ وہ ایسپریسو لا چکی تھی جو کرواہٹ کی مانند انہیں اپنے حلق میں اتارنی تھی۔

بالکل ایسے جیسے کئی کڑواہٹیں جھیل کر وہ اس مقام کو پہنچے تھے۔

☆☆☆

برہان کو اس نے زبردستی گھر بھیجا تھا تا کہ وہ ریسٹ کر سکے۔ وہ بڑی مسافت کے بعد پلٹا تھا اسے آرام کی ضرورت تھی۔ وہیں برہان اس کو زبردستی اپنے ساتھ لے کر ہی گھر آیا تھا تا کہ وہ کم از کم فریش ہو کر کپڑے تبدیل کر کے چند گھنٹے سو سکے۔ یہ اس کی ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے ازدرجہ اہم تھا۔

www.novelsclubb.com

وہ دونوں ایک دوسرے کی پرواہ خود سے بڑھ کر کرتے تھے۔

نانا ہسپتال رکے تھے۔ دادا بھی وہیں پہ تھے۔ عائشہ کی طبیعت کافی حد تک بحال ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ تسلی سے برہان کے ساتھ چلی آئی۔

جب وہ ہسپتال سے نکلے تو شام کی سرخی آسمان پہ ظاہر ہونے لگی تھی۔ سورج دنیا والوں کی نظر سے اوجھل ہوتا گم ہونے لگا۔ چاند نے اپنی چاندنی سے دیوانوں کو خود کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی کشش سے بخوبی واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لوگ اس کی خوبصورتی پہ اشعار کہیں گے۔ وہ واقف تھا کہ اس کی خوبیاں اس کی خامیوں کو پس پشت ڈال دیں گیں۔ وہیں سورج دنیا والوں کی بے اعتنائی پہ دلبر داشتہ ہو کر غائب ہو گیا۔ پرندے اپنے آشیانوں کو لوٹنے لگے۔ رزق کی تلاش میں نکلے کچھ انسان واپس گھر کو لوٹنے لگے تو کچھ تاریکی میں رزق کی تلاش میں نکل پڑے۔ دن میں چھائی دھوپ نے سردی کی شدت کم کی ہوئی تھی جواب بڑھنا شروع ہو چکی تھی۔ ماحول میں سردی چھائی تو لوگوں نے مزید گرم کپڑوں سے خود کو ڈھانپنا شروع کر دیا۔

www.novelsclubb.com

گاڑی ڈرائیو کرتے برہان نے ایک نظر نور پہ ڈالی جو خواب غفلت میں تھی۔ کئی دنوں کی بے خوابی کے باعث وہ انتہا کی تھکاوٹ کا شکار تھی۔ نرم جگہ میسر آتے ہی وہ دنیا کی کلفتوں سے فرار حاصل کر گئی۔

سوتے ہوئے اس کی گردن بائیں جانب لڑھکی ہوئی تھی۔ وہ ہلکے اور گہرے سانس بھرتے گہری نیند میں تھی۔ برہان نے ایک ہاتھ سے سٹئیر نگ تھامے دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن سیدھی کی۔ ہلکی سی جنبش کے بعد وہ دوبارہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

چند منٹ کی ڈرائیو کے بعد برہان نے احتیاط سے بریک پہ پاوں رکھتے گاڑی روکی تو سامنے اس عالیشان بنگلے کو کھڑا پایا۔ اس نے گاڑی کا ہارن بجایا تو وہ نیند میں بڑبڑائی۔ گیٹ کھلا تو وہ گاڑی لیے اندر بڑھا۔ گاڑی کو گھر کے وسط میں روکے وہ سونا کے قریب جھکا۔

"سونا گھر آگیا ہے۔"

اس نے دھیمی اور نرم آواز میں اسے مخاطب کیا مگر جواب ندارد۔

"سونا اٹھ جاؤ یار" اب کی بار اس نے اس کے سنہری ریشمی بالوں کو سہلاتے اسے پکارا۔ مگر وہ پھر بھی نہ اٹھی۔

"کس مصیبت میں ڈال رہی ہو یار۔ تمہیں جگانے کا بھی دل نہیں چاہ رہا اور تمہیں اپنے بازوؤں میں اٹھا کر اندر لے جانے کا بھی حق نہیں رکھتا۔" اپنے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے اس نے بے بسی سے چور لہجے میں بڑبڑاہٹ کی۔ پھر سیٹ کی پشت پہ اپنا چہرہ رکھے وہ اسے تکنے لگا۔ پھر کیا ہوا اگر وہ دونوں میں سے کسی پہ بھی عمل نہیں کر سکتا تھا ایک کام تو وہ پھر بھی کر سکتا تھا اور وہ تھا انتظار۔

وہ منتظر سا اسے پر سکون سویا دیکھنے لگا۔ سردی کے احساس سے وہ خود میں سمٹی تو برہان کو یاد آیا کہ وہ ہیٹر تیز کرنا بھول چکا تھا۔ اس نے ہیٹر تیز کر دیا۔ اسی اثنا میں ایک ملازم نے گاڑی کے شیشے پہ دستک دیتے برہان کو خود کی طرف متوجہ کرنا چاہا

www.novelsclubb.com

مگر برہان سے قبل نور نے مندی مندی آنکھیں کھولیں۔ برہان نے غصے سے آنے والے کو دیکھا۔اس نے سونا کی نیند میں خلل ڈال دیا تھا۔

"بولو کیا مسئلہ ہے؟" دروازے کا شیشہ نیچے کرتے اس نے جھاڑتے ہوئے کہا۔

"خوش آمدید چھوٹے صاحب" اپنے مالک کے لہجے کو نظر انداز کیے وہ ملازم نہایت خوشی سے پر جوش بولا تو برہان کو اپنے لہجے پہ شرمندگی ہوئی۔

"شکریہ امانت۔ میرا سامان گاڑی سے نکال کر میرے کمرے میں منتقل کر دو۔" امانت کو ہدایت دے کر اس نے اپنے برابر دیکھا تو جگہ خالی پائی۔اس نے شیشے کے پار گاڑی کی دوسری طرف دیکھا جہاں وہ باہر کھڑی جمائیاں روکنے کی ناکام کوشش میں مبتلا تھی۔ وہ بلاساختہ مسکرایا۔

برہان نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور دانیال کمال کے آشیانے پہ قدم دھرا تو ہر سو بہار اتر آئی۔ پھولوں نے کھلنا فرض سمجھا۔ ہوا کے نرم جھونکے خوشبو لیے اس کے ارد گرد پھیلنے لگے۔ آسمان پہ بادل قطار در قطار اس کے اوپر سمٹتے چھاوں کرنے

لگے۔پتے،درختوں پہ رقص کناں ہوئے۔ڈالیاں لہک لہک کر اسے سلام کرنے لگیں۔درختوں پہ بیٹھے پرندے آسمان میں پرواز کرتے اس کے آنے کی خوشی میں جھومنے لگے۔وہ آیا تھا تو رونق لوٹ آئی تھی۔وہ آیا تھا تو قرار آگیا تھا۔

وہ سونا کے ہم قدم مرکزی دروازے تک کا سفر پیدل طے کرنے لگا۔

عرصے بعد اس گھر کو دیکھتے وہ اس سے جڑی یادوں میں کھو گیا۔بچپن کے بچپنے میں، مستی کے ایام میں،اپنوں کے ہم قدم،خوشیوں کے سنگ بیتے لمحات اس کے سامنے منظر کشی کرنے لگے۔یونہی ماضی کی یادوں میں گم وہ مرکزی دروازے تک پہنچ چکا تھا۔وہ اس کے برابر چلتی اس کے ساتھ دروازے کے باہر کھڑی ہوئی۔ برہان نے دروازہ کھولا اور پھر وہ اس منظر میں فنا ہو گیا۔کئی یادیں حقیقت کا روپ دھارے اس کے ارد گرد رقص کرنے لگیں۔زخرف نے اس کی غائب دماغی پر کھتے اس کا کندھا ہلایا۔کیونکہ وہ پچھلے کئی منٹوں سے ایک ہی جگہ ساکت کھڑا تھا۔

"کہاں گم ہو؟" میلے کپڑوں اور مٹے مٹے آنسوؤں سے نقش چہرے والی دلربا حسینہ نے اس حسین شخص سے پوچھا۔

"ماضی میں" اس حسینہ کے دکھی چہرے سے نظریں ہٹاتے واپس گھر کے در و دیوار کو دیکھتے ان میں گم مدھم سا جواب دیا۔

"ماضی میں مت رہنا برہان۔ ماضی میں رہنے والے بہت تکلیف سے گزرتے ہیں۔" ٹوٹی بکھری حالت والی وہ شہزادی اس حسن مجسم کو نصیحت کرنے لگی۔

"کیا ہم خود کو ماضی میں جانے سے روک سکتے ہیں؟" اس کے جواب کو سننے کا خواہاں وہ اس سے سوال کر گیا۔

"میں نے سنا ہے انسان خود پہ کافی اختیار رکھتا ہے۔" اس کے وجیہہ چہرے سے نگاہیں چراتے جواب دیا۔ وہ خود بھی تو ماضی میں الجھی تھی۔ اسے کیسی کہہ دیتی کہ ماضی میں جانے سے انسان خود کو باز رکھ سکتا ہے۔

www.novelsclubb.com

"تمہاری نگاہیں تمہارے جواب کا عکس نہیں دکھا رہیں۔"

اس سنہری بالوں والی حسینہ کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے اس نے سچائی بیان کی تو وہ چہرہ پھیر گئی۔ مگر برہان کمال نے اس پر سے نگاہ نہیں پھیری۔ اس کی اٹھتی جھکتی پلکوں میں چھپی آنکھیں اسے مسحور کر رہی تھیں۔ نیند کی کمی اور رونے کے باعث ان میں گھلی سرخی ان آنکھوں کو نشیلا بنا رہی تھیں۔ وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھے گیا۔

"آنکھیں نہیں پڑھا کرتے بے وقوف" وہ اس کا دھیان بھٹکانے کو نصیحت آموز لہجے میں جھڑکتے ہوئے بولی۔

"لیکن اگر آنکھیں سونا کی ہوں تو انہیں صرف پڑھا ہی نہیں حفظ بھی کیا جا سکتا ہے۔" وہ ہنوز اس کی آنکھوں میں غرق بولا۔ سکتہ کی کیفیت قائم ہو گئی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جبکہ وہ اس کے چہرے کے بدلے تاثرات بھانپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اچانک ایک آواز آئی تو محفل سکتہ برخاست ہوئی۔

www.novelsclubb.com

"برہان"

اپنے نام کی پکار پہ اس نے رخ موڑا تو اپنی ماں کو سامنے کھڑا پایا۔

اس کی آمد سے بے خبر مائدہ بیگم اس کو دیکھ کر چونک ہی تو گئی تھیں۔ان کے سامنے ہر منظر دھندلا گیا تھا۔ہر شخص یاداشت سے محو ہو گیا تھا۔اس سے چند قدموں کی دوری پہ کھڑی اس کی ماں بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے وہ سراب ہو۔جیسے بار بار تصور کیا جانے والا احساس حقیقت ہو جائے۔ماں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے وہ باہیں پھیلاتا ہوا ان کے پاس آیا تو وہ اس کے گلے لگتیں بے اختیار رو پڑیں۔شاید یہ خوشی کے آنسو تھے بلکہ شاید نہیں یقیناً۔اپنی کل متاع کو دیکھ وہ بے حد پر مسرت ہوئیں۔بلکہ مسرت بھی ایک معمولی لفظ تھا ان کی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے۔اپنی اولاد کو سینے سے لگا کر ان کی ممتا کو راحت ملی تھی۔وہ اسے سینے میں بھینچ گئیں۔

"برہان۔۔۔میرا بچہ یہ تم ہو؟"

وہ اس کے لمس کو محسوس کرنے کے باوجود سوالیہ بولیں۔ تو برہان کو احساس شرمندگی نے گھیرا۔

"اب آپ شرمندہ تو نہ کریں ماما۔" اپنے بالوں پہ ہاتھ پھیر کر وہ خجل سا بولا۔

"تمہیں یاد آ گیا کہ تمہاری ماں تمہارے انتظار میں تڑپ رہی ہے۔" پل بھر میں ازلی ماؤں والی ناراضی سمٹ آئی۔ جس پہ وہ سر جھکا گیا۔ وہ حقیقتاً شرمندہ تھا۔

ان کی طرف دیکھتی زخرف کے ہاتھ سے پرس چھوٹ کر زمین پہ گرا جس کی آواز سے خلل پیدا ہوا اور ان کی نظر برہان کی پشت پہ کھڑی زخرف پہ پڑی جو زمین پہ جھکی اپنا پرس اٹھا رہی تھی۔ مائدہ بیگم کو اس لڑکی کی یہاں موجودگی بالکل پسند نہ آئی۔

"یہ لڑکی تمہارے ساتھ کیا کر رہی ہے؟" انہوں نے کرخت لہجے میں برہان سے پوچھا۔

"کیا مطلب کیا کر رہی ہے؟" برہان نے اچنبھے سے پوچھا۔اپنی ماں کا یہ رویہ اسے عجیب لگ رہا تھا۔

"تم اسے اپنے ساتھ لائے ہو؟" انہوں نے انداز حیرانی اپنائے استفہامیہ پوچھا۔

"یہ اس کے نانا کا گھر ہے وہ جب چاہے آسکتی ہے۔" اس نے مضبوط ترین جواز پیش کیا۔

"لیکن تم میرے بیٹے ہو برہان۔آئندہ تم مجھے اس کے ساتھ نظر نہ آو۔"

اس لڑکی کی آنکھوں میں موجود اذیت، چہرے پہ تھکن اور انداز میں ٹوٹ پھوٹ کو دیکھنے اور پرکھنے کی بجائے وہ اپنے بیٹے کو اس سے دور رہنے کا حکم سنا رہی تھیں۔
برہان نے نور کو دیکھا جو اس کی ماں کی بات پہ سفید پڑ گئی تھی۔

"سونا پلیز تم اپنے کمرے میں جا کر فریش ہو جاو۔"

اپنی ممانی کی باتوں پہ خود کو زمین میں گڑھا محسوس کرتی سونا کو مخاطب کر کے کہا۔

انداز التجائیہ تھا۔

کیا وہ اتنی قصوروار تھی جو اسے ممانی کا یہ رویہ برداشت کرنا پڑتا تھا؟

برہان نے اس حالت میں دیکھ اس کی مشکل آسان کی۔ وہ خاموشی سے آنسو پیتے وہاں سے چلی گئی۔ جب انسان پہلے ہی درد کی انتہا پہ ہو تو اس کو سوئی بھی برچھی کی مانند تکلیف دیتی ہے۔ ایسے نازک حالات میں کسی ذی روح کو ملامت نہیں کرنی چاہئے۔ کیا معلوم اس کا درد عرش تک پہنچ جائے؟ کوئی اور وقت ہوتا تو اسے کوئی خاطر خواہ فرق نہ پڑتا مگر اب۔۔۔اب وہ وقت ہی تو نہیں رہا تھا۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں عبور کرتے منظر سے گم ہوئی تو برہان اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوا۔

"ماما پلیز کچھ تو خیال کریں۔ پھوپھو کے ایکسیڈنٹ نے اسے توڑ دیا ہے۔ اور اس پہ پھوپھو اس کو پہچاننے سے بھی انکار کر رہی ہیں۔ آپ نہیں جانتیں وہ کتنی مشکل

سے سانس لے رہی ہے۔" ہمدردی سموئے وہ اپنی ماں کو سمجھانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

"آتے ہی اس کی حمایت شروع کردی۔" مائدہ کو اولاد کی یہ حرکت غصہ دلا گئی۔

"آپ نے بھی تو آتے ہی اس کو برا کہنا شروع کر دیا۔" اس نے برملا ناراضی کا اظہار کیا۔

"چھوڑو اس کو۔ چلو میرے ساتھ کمرے میں۔ تمہاری دید کو ترس گئی تھی۔ جی بھر کر دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس کے بازو کو تھامے وہ اسے کمرے کی طرف لے کر جانے لگیں۔ ان کی بلا سے بھاڑ میں جائے زخرف اور اس کی ماں۔

"ڈونٹ ٹیل می کہ آپ کے پاس میری کوئی تصویر نہیں تھی۔" ماں کو تنگ کرنے کو شرارت سے گویا ہوا تو ماں نے کمر پہ ہلکی سی چپت لگائی۔

"مار کھاؤ گے۔" چہرے پہ مصنوعی سنجیدگی اوڑھے کہا۔البتہ اولاد کی موجودگی پہ ہی چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"مار لیں۔" اس نے چہرہ آگے کیا۔وہ خوبصورت چہرہ جس پہ کوئی بھی مر مٹ سکتا تھا۔

"مریں تمہارے دشمن" جانے وہ دشمن کس کو کہہ رہی تھیں مگر برہان کو ہنسی آئی۔

"انٹرسٹنگ"

ماں کی بات کے جواب میں وہ یہی کہہ پایا۔مہینوں بعد مائدہ کے چہرے پہ رونق آئی تھی۔

☆☆☆

وہ فریش ہو کر واش روم سے باہر نکلی۔آج کئی دنوں بعد اس نے اپنا چہرہ دیکھا تھا۔

مرجھائے چہرے پہ اداسی نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔اپنی نیند کا از حد خیال دکھنے

والی کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے عیاں ہو رہے تھے۔ سردی سے بچنے کے لیے گرم کپڑوں میں خود کو لپیٹے وہ بیڈ پہ آکر بیٹھی اور ہیٹر آن کیا۔ جسم کو حرارت اور نرم بستر میسر آیا تو چند ہی لمحات میں وہ نیند کی وادی میں کھو گئی۔ کئی دنوں بعد وہ رات سو کر گزارنے والی تھی۔

فجر سے ذرا بعد اس کی آنکھ کھلی تو وہ کافی حد تک پر سکون تھی۔ شاید نیند کی کمی کے باعث اس کا دماغ ماوف ہو کر رہ چکا تھا مگر اب وہ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

نیند کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے انسان دنیا کی تمام کلفتوں سے کوسوں دور نکل جاتا ہے۔

اگر نیند کی نعمت نہ ہوتی تو انسان کی زندگی بھی جہنم سے کم نہ ہوتی۔

اس نے پاس پڑے موبائل پہ ٹائم دیکھا۔ وہاں صبح کے سات بج رہے تھے۔ وہ فون واپس رکھنے لگی کہ بیپ ہوئی۔ اس نے میسج کھولا۔

www.novelsclubb.com

"کیا تم اب بھی اپنے بابا کے قاتل کا پتا لگانا چاہتی ہو؟"

پھر ایک نئے نمبر سے پیغام ملا تھا۔ یا شاید سوال

"اس بات میں کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہیے۔"

اس نے چند لمحے ٹائپنگ کر کے اسی نمبر پہ پیغام ارسال کیا۔ چاہے جو بھی ہو وہ اپنے بابا کے قاتل کی تلاش کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ وہ الگ بات تھی کہ اب اس کے پاس ذمہ داریوں کی بہتات ہونے والی تھی مگر پھر بھی وہ اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹنے والی تھی۔

اس نے خود پہ اوڑھا کمبل اتارا۔ کمرہ اچھا خاصا گرم تھا اس لیے ہیٹر بند کیا۔ ذہن کے پردوں پر حالیہ پیغام اور پیغام رساں ہی گردش کر رہا تھا۔

کون تھا اس ایجنسی کا کارندہ۔۔۔وہ کیسے اس کی ہر سوچ کو پڑھ لیتا تھا۔وہ کیسے اس کی زندگی میں وقوع پذیر ہونے والے ہر واقعے اور حادثے سے باخبر ہوتا تھا۔وہ مضمحل ہوئی۔

الجھی سوچوں کے گرداب میں پھنسی وہ چند لمحات گزار کر بیڈ سے اٹھی۔الماری سے کپڑے نکالے اور فریش ہونے کی غرض سے واش روم گھس گئی۔معمول کے کپڑے پہنتے وہ اب پرانی زخرف معلوم ہوئی جو ہر وقت صاف لباس زیب تن کیے اجلی رہتی تھی۔

اس نے برہان کو میسج ٹائپ کیا۔کرنے کو وہ کال بھی کر سکتی تھی اور اس کے کمرے میں بھی جا سکتی تھی مگر اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟"میسج بھیجنے کے اگلے ہی پل جواب حاضر تھا۔

"دروازہ کھولو گی تو مجھ ناچیز کو اپنے سامنے پاؤ گی۔"اس جواب نے اس کے اندر کی ساری پریشانی جذب کر لی۔دوستوں کی جانب سے اتنا پروٹوکول کسے قبول نہیں

ہوتا۔اس نے فورا دروازے کی طرف بڑھ کر اسے کھولا۔ جیسے انسان جوش اور خوشی میں کرتا ہے۔

سامنے برہان کمال تھا۔ حسن باکمال۔ گہری سرمئی آنکھوں سے اس کو دیکھ کر مسکراتا ہوا۔اپنے وجیہہ چہرے پہ نرم تاثرات جمائے اسے اپنے دماغ میں نقش کرتا ہوا۔

سفید رنگ کی ٹاپ کے ساتھ بھوری جینز پہنے اور اپنے سنہری بالوں کو جوڑے میں گوندے، میک اپ سے پاک چہرہ لیے وہ اسے ساکت کر رہی تھی۔

وہیں ایک خوبصورت مسکان نے پل بھر میں نور کے چہرے پہ چھائی ساری افسردگی ختم کر دی۔

اس نے غور سے برہان کو دیکھا۔وہ اس وقت سیاہ ٹریک سوٹ میں ملبوس تھا۔غالبا وہ ابھی جوگنگ سے لوٹا تھا۔اس سرد موسم میں بھی اس کے چہرے پہ پسینے کی

بوندیں جگمگا رہی تھیں۔ سفید رنگت میں گھلی سرخی کسی کو بھی فریفتہ کر دینے کو کافی تھی۔ الجھے بال بھی الگ ہی نظارہ پیش کر رہے تھے۔

نور نے الفت سے اسے دیکھا۔ وہ ہمیشہ اس کے لیے کھڑا رہا تھا، وہ ہمیشہ اس کو فوقیت دیتا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کے چہرے پہ مسکان لے آتا تھا۔ وہ کیوں تھا ایسا؟

وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ اسے دیکھتے ہوئے مسلسل مسکرا رہی تھی۔ مگر وہ تو اس کے انداز اور اطوار بغور پرکھ رہا تھا۔

"یار اتنا حسین نہ مسکرایا کرو۔ کسی دن میں جان سے جاوں گا۔"

اس کو مسکراتے دیکھ وہ معصومیت سے بولا تو سیاہ آنکھوں نے سرمئی آنکھوں کو گھورا۔ اس گھوری میں مصنوعی سنجیدگی بدرجہ اتم موجود تھی۔

"تم فلرٹ کرنے لگ گئے ہو برہان؟" کچھ درجہ شاک بھی شامل ہوا تو برہان ہنسا۔ اس کے ہنسنے پہ ماحول میں دھیما سا ساز چھڑ گیا۔

"میں انتہائی شریف انسان ہوں۔یہ فلرٹ کیا ہوتا ہے؟"اپنا چہرہ اس کے ذرا قریب کر کے معصومیت بھرے انداز میں پوچھا۔اس کا چہرہ حقیقت میں معصومیت لیے ہوئے تھا۔

"آئے بڑے معصوم"

نور نے اس کے کندھے پہ چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"جس سے مرضی پوچھ لو۔اس عمر میں اتنی شرافت صرف مجھ میں ہی موجود ہے۔"

اس نے بھی اکڑ اکڑ کر کہا۔کہ لکھوا لو برہان کمال جیسا شریف انسان تم اس دنیا میں نہ دیکھو گی۔

"ہوں ہوں۔۔۔۔جیسے میں جانتی نہیں۔پتا نہیں کتنی لڑکیوں سے تمہاری دوستی ہو گی۔"اس نے ہاتھ جھلاتے ہوئے اپنے اندیشے اور اندازے ظاہر کیے۔

"قسم اٹھوا لو۔ تم ان دوستوں کی ہیڈ ہو۔" اس کی طرف اشارہ کرتے وہ بے ساختہ بولا تو نور نے جھرجھری لی۔

"استغفر اللہ" نور نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ یہ لڑکا بہت بے باک ہو چکا تھا۔ وہ اس کے انداز پہ ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔

"تم بہت بدل گئے ہو برہان" وہ اس کو ہنستا دیکھ پر سوچ بولی۔

"ہاں سب کہتے ہیں میں اب زیادہ حسین ہو گیا ہوں۔" اس نے انکار نہیں کیا۔

اور وہ درست کہہ رہا تھا برہان کمال حقیقتاً مجسم حسن تھا۔ حسن با کمال

"تمہیں پاکستان اتنا راس نہیں آیا تھا۔" وہ اس کی صحت اور اچھی خاصی باڈی کو دیکھ کر بولی۔

"پاکستان کو میں راس نہیں آیا۔" لہجہ نہایت سادہ تھا مگر گہرائی تھی جو پوشیدہ تھی۔

"واٹ ایور" اس نے ہاتھ جھلا کر کہا۔

"اندر نہیں آنے دو گی کیا؟" وہ اسے دروازے میں کھڑا دیکھ قدم بڑھاتا ہوا بولا جس پہ وہ پیچھے ہٹ گئی تا کہ وہ اندر آ جائے۔

"تمہارا اپنا گھر ہے جہاں مرضی آو۔"

"تم ماما کی بات کو مائینڈ کر گئی ہو؟" کمرے کے اندر قدم دھرتے اس نے رخ سونا کی طرف موڑ کر کہا۔

"نہیں"

"دیکھو سونا۔۔۔" برہان نے اس کا ہاتھ پکڑتے وضاحت دینی چاہی۔

"برہان فلحال مجھے اس سب پہ کوئی جواب نہیں چاہئے۔ میں تم سے ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑاتے ڈریسنگ کی طرف بڑھی۔

"خیریت تو ہے؟" اسی جگہ کھڑے اس نے پریشانی سے استفہامیہ پوچھا۔

"خدا کرے سب خیریت سے ہو جائے۔" اس نے ڈریسنگ سے پرس اٹھاتے کہا۔

"کیا ہو جائے ؟" لاعلمی اور کم فہمی سے استفسار کیا۔ ماتھے پہ لکیروں کا جال بنا تھا۔

"میری شادی" مختصر سا جواب دیا۔

"تمہاری شادی ؟" وہ حیرت انگیز تاثرات سجائے منہ کھولے اس کو دیکھنے لگا۔

"شام کو ہمارے پسندیدہ ریسٹورنٹ آجانا برہان۔ اس سلسلے میں مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ فلحال میں ہاسپٹل کے لیے نکل رہی ہوں۔" وہ اس کو ورطہ حیرت میں چھوڑے کمرے سے نکل گئی۔

برہان کو لگا جیسے اس کی سونا نے اس پہ سنہری روشنی ڈال کر اسے منور کر دیا ہو۔ کیا وہ اسے پرپوز کرنے والی تھی ؟

کیونکہ وہ ایک بولڈ لڑکی تھی اس لیے وہ اس سے یہ توقع بھی رکھ سکتا تھا۔

مگر ان حالات میں وہ شادی کی بات کیوں کر رہی تھی ؟

www.novelsclubb.com

حیرت، تجسس، پریشانی جانے کس کس احساس سے وہ ایک پل میں بہرہ مند ہو گیا تھا۔

☆☆☆

شام کو وہ سونا کے پسندیدہ ریسٹورنٹ میں ایک ٹیبل پہ بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ کافی مہنگا ریسٹورنٹ تھا جہاں وہ موجود تھا۔ وہاں صرف امیر طبقے کے لوگ ہی کھانا کھانے آتے تھے۔ وہ فون پہ انگلیاں چلاتے اپنے ہی دھیان میں مگن تھا جب اس کے پاس سے گزرتی لڑکی کی سرگوشی پہ اس نے بے ساختہ استغفراللہ کہا۔ چند پل بعد وہی لڑکی اس کے سامنے ایستادہ تھی۔

www.novelsclubb.com

"ایکسکیوز می" اس لڑکی نے پکارا تو برہان نے فون سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یس؟" لاعلمی سے استفسار کیا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔" وہ لڑکی اسے تجسس آمیز نظروں سے دیکھتی کہہ رہی تھی۔

"کیا آپ جانتی ہیں مس کہ فلرٹ کرنے کے لیے یہ نہایت پرانا طریقہ ہے۔ آپ کو کوئی نیا حربہ آزمانا چاہیئے جو آزمودہ ثابت ہو۔" اس نے ایک جملے سے ہی مقابل کو پانی پانی کر چھوڑا۔ وہ اپنے نام کا ایک ہی تھا۔ شرمندگی کے احساس تلے وہ لڑکی ہوں ہاں کرتے اور اسے بدتمیز کہتے وہاں سے چلی گئی۔

"موڈ خراب کرنے کے لیے ہر جگہ لوگ موجود ہوتے ہیں۔" وہ ہولے سے بڑبڑایا۔ پھر ویٹر کو بلا کر لمبا سا آرڈر نوٹ کروایا۔ اور واپس فون پہ مصروف عمل ہوا۔

نور ریسٹورنٹ داخل ہوئی تو دور ٹیبل پہ گہرے نارنجی رنگ کی شرٹ پہنے برہان کو دیکھ کر اس کی طرف قدم بڑھائے۔ یہ رنگ اس کی رنگت پہ خاصا جچ رہا تھا۔ اس کے پاس پہنچ کر وہ کرسی کھینچتے بیٹھی تو برہان کا دھیان فون سے اٹھا۔ اس نے نور کو دیکھا جس کے چہرے پہ تھکاوٹ تھی۔

"تمہاری پسند کی ڈشز آرڈر کر دی ہیں۔" اس کے بولنے سے قبل وہ فخریہ بولا۔ کہ دیکھ لو سونا، برہان کمال تمہاری پسند، ناپسند سے بخوبی واقف ہے۔

"شکریہ مگر فلحال مجھے بھوک نہیں ہے۔" اپنا پرس ٹیبل پہ رکھتے اس نے عجلت میں جواب دیا۔

"تم نے اپنا برا حال کر لیا ہے سونا۔ پھوپھو کو دکھ ہو گا۔" وہ اس کے جواب پہ نصیحت آمیز لہجے میں بولا۔ کم از کم اسے اپنے کھانے پینے کا دھیان تو رکھنا چاہیئے۔

"کاش انہیں علم ہوتا۔ خیر چھوڑو" اپنے زخم ادھیڑنے سے خود کو باز رکھا۔

ویٹر کھانا لا چکا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے کھانا رکھتے دیکھنے لگے۔ خاموشی ان کے درمیان حائل ہو گئی۔ ویٹر کھانا رکھ کر چلا گیا۔

برہان نے ایک ڈش اس کے آگے کھسکائی مگر اس نے پیچھے کر دی۔

"کچھ تو کھا لو سونا" وہ فکر مندی سے اسے دیکھتے بولا جو منہ سے الفاظ نکالنے کی تگ ودو میں مصروف تھی۔

"میں حدید سے شادی کر رہی ہوں۔" وہ ایک ہی سانس میں بولی۔

اور اس جملے نے برہان کمال کو آسمان سے زمین پہ دے مارا۔

"ک۔۔کون حدید؟"

اٹکتے ہوئے بمشکل پوچھا۔

"وہی جو اس روز ہسپتال میں تھا۔" اس نے پرانا حوالہ دے کر یاد دلانا چاہا۔

"یہ سب کیا ہے سونا؟ تم کیسے کسی بھی ایرے غیرے سے شادی کر سکتی ہو؟" وہ کرسی سے اٹھتے صدمے اور ناراضی سے بولا۔ تو ارد گرد موجود سب لوگوں کا دھیان ان کی ہی طرف مبذول ہوا۔

"تم اوور ری ایکٹ کر رہے ہو۔" اس نے اسے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کرتے کہا۔

"اوورری ایکٹ؟ سیریسلی؟" وہ مزاحیہ انداز میں بولا۔ مگر یوں جیسے خود اپنا مذاق بنا رہا ہو۔

"میری بات سن لو۔"

نور نے کرسی سے اٹھ کر اسے پکڑ کر کرسی پہ بٹھاتے ہوئے التجائیہ کہا۔

"کہو" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے خفگی سے چہرہ پھیرے بولا۔

"میری اور حدید کی ملاقات برلن میں ہوئی۔ اس دوران مجھ پہ حملہ ہوا۔ اگر اس روز حدید وہاں نہ ہوتا تو شاید میں زندہ نہ ہوتی۔" وہ اسے آپ بیتی سنانے لگی۔ برلن میں ہونے والے حادثے اور محافظ کر ذکر کرنے لگی۔

"تم پہ حملہ ہوا؟" اس نے اپنا چہرہ زخرف کی طرف موڑا۔ پریشانی اس کے انگ انگ میں جھلکنے لگی۔ ایک کے بعد ایک جھٹکے نے اس کا دماغ ماوف کر چھوڑا تھا۔

"ہاں" یک لفظی جواب۔

"تم پہ حملہ ہوا۔ تم پہ۔۔۔ سونا اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔" وہ پر شکوہ بولا۔ اسے نور سے اس اجنبیت کی امید نہیں تھی۔

"تم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔" اس نے گویا برہان کو حقیقت سے آشنائی دلانے کی کوشش کی۔

"میں تمہاری خاطر کچھ بھی کر سکتا تھا سونا" ٹیبل پہ آگے کو جھکتے اس نے اپنے الفاظ پہ زور ڈالتے باور کروایا۔

"تم وہاں نہیں تھے برہان۔ اس وقت حدید ہی میرا محافظ تھا۔" جانے انجانے میں وہ حدید کی تعریف کر گئی۔ اگر حدید سن لیتا تو یقیناً بے ہوش ہو جاتا۔ بھلا سیلف اوبسیس زخرف نور اور حدید عالم کی تعریف۔۔۔ توبہ توبہ، استغفراللہ!

"کوئی تم پہ کیوں حملہ کروائے گا؟" اس نے بات پلٹی۔ اسے سونا کی زبان سے اس کا نام بھی پسند نہیں آرہا تھا اس کی تعریف تو ایک طرف رہی تھی۔

"یہی بات مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔ خیر مجھے بعد میں علم ہوا کہ حدید، ماما کو جانتا ہے اور ماما بھی اس کو جانتی ہیں۔" اس نے برہان کی معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

"تو؟" یہ لفظ بہت سارے مفہوم بیان کر رہا تھا۔

"تو یہ کہ ماما کے ایکسیڈنٹ پہ حدید ہسپتال آیا اور۔۔۔۔۔۔"

وہ اسے ساری بات بتاتی چلی گئی۔ کیونکہ وہ اس سے شئیر کیے بغیر اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ وہ برہان کمال کو اندھے کنویں میں دھکیل رہی ہے۔ وہ اس کا دل خالی کر رہی ہے۔ وہ محب کو محبت کے عذاب میں جھونکے آگے بڑھ رہی ہے۔

☆☆☆

ہسپتال کے کمرے میں موجود اس نحیف اور پٹیوں میں جکڑے وجود کی آنکھیں بند تھیں۔ مگر ان آنکھوں کے پار کئی منظر لہرا رہے تھے۔

"ماما، آپ بابا سے بات کیوں نہیں کرتیں؟"

ماں کے قدموں میں بیٹھے وہ روئی روئی انکھوں سے کہہ رہی تھی۔ ہر وقت شوخ رہنے والی عائشہ ہنسنا تک بھول چکی تھی۔ محبت کے عذاب نے اسے فنا کر چھوڑا تھا۔ یا شاید محبت نے نہیں اس کے باپ کی انا نے اس کو برباد کر دیا تھا۔

"تمہارے بابا نے کبھی میری بات کو اہمیت دی ہے جواب دیں گے۔"

اس کی ماں نے گویا اپنی اہمیت واضح کی۔

"میں خود بات کر لوں گی۔" اچانک وہ زمین سے اٹھی اور عجلت میں اپنے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی۔

"رک جاو عائشہ۔ تمہارے باپ نے لاکھ تمہارے ناز نخرے اٹھائے ہیں لیکن تمہاری اس بات پہ وہ تمہیں زندہ دفن کر دیں گے۔" حقیقت سے آشنائی دیتے انہوں نے عائشہ کے قدموں میں زنجیر ڈالی۔ یہ وہ زنجیر تھی جس نے اس کے ہر

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ارمان، ہر خواب کو قید کر دیا تھا۔اپنے کالج کی ہونہار طالبہ، اپنے خاندان کی پہلی ڈاکٹر عائشہ نے محبت میں خود کو روندتا محسوس کیا۔

"وہی تو کر رہے ہیں ماں۔ میں مر جاوگی لقمان کے بغیر۔" وہ گریہ وزاری کرتے ہوئے محبت کا اقرار کر رہی تھی۔ وہ انہیں آگاہ کر رہی تھی کہ عائشہ دانیال کمال کا وجود لقمان کے بغیر زندہ لاش بن جائے گا۔انہیں پہلی محبت ہوئی تھی اس سے۔ بلکہ شاید عشق ہوا تھا۔ یہ عشق انہیں روگ لگا رہا تھا۔

"تم پاگل ہو چکی ہو عائشہ۔ عقل کا مظاہرہ کرو۔ تم تو بہت سمجھدار لڑکی ہو۔"

وہ اس کے پاس آتیں عائشہ کو بازو سے پکڑے جھنجھوڑ کر بولیں۔

"میری عقل مفقود ہو چکی ہے ماں۔ مجھے اب ان کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔" اپنا وزن اٹھانے سے قاصر عائشہ زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔

"ہر کسی سے دل نہیں لگا لیا جاتا۔" ماں نے اس کو سنبھالنے کی کوشش کرتے نصیحت کی۔

"وہ ہر کسی نہیں ہے ماں۔" سرخ آنکھوں سے اپنی ماں کو دیکھتے وہ تڑپ کر بولی۔ یہ اس کی محبت کی توہین تھی۔

"تمہاری شادی جس شخص سے طے ہوئی ہے کیا اس سے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی۔" انہوں نے اسے تصویر کا دوسرا رخ دکھاتے احساس دلانا چاہا۔ شاید وہ درد مند لڑکی اپنا آپ قربان کر دے۔

"آپ نے بتایا نا کہ وہ آرمی آفیسر ہیں تو ان کے حوصلے بڑے بلند ہوتے ہیں۔ وہ برداشت کر لیں گے۔" وہ درد مند لڑکی محبت کے ہاتھوں مجبور ظالم بن گئی۔

"بیٹا مردوں کے حوصلے لاکھ بلند ہوں مگر غیرت سب میں ہی ہوتی ہے۔"

"میں نے کب للکارا ہے ان کی غیرت کو۔ ابھی تک تو صرف شادی کی بات ہی ہو رہی ہے۔ نکاح تو نہیں ہو گیا۔"

اپنی ماں کو شانوں سے تھامے وہ اپنا موقف بیان کرنے لگی۔ مگر اگلی آواز پہ اس کے کندھے ڈھلک گئے۔

"وہ بھی ہو جائے گا۔" دانیال کمال کی آواز اسے صور کی مانند محسوس ہوئی۔

"بابا" اس نے زیر لب ڈرتے ڈرتے پکارا۔

"میں تمہیں پہلی اور آخری مرتبہ کہہ رہا ہوں کہ اس شخص کا خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دو۔ اس سے قبل کہ میں کوئی سخت قدم اٹھاوں۔" سخت اور بلند آواز میں تنبیہی انداز میں کہتے وہ بہت سنگدل معلوم ہو رہے تھے۔

"میں ان سے وفا نہیں کر پاؤں گی۔" وہ بھی ڈٹ گئی۔ اپنی محبت کے لیے اکڑ گئی۔

"لیکن نکاح پھر بھی تمہارا اسی سے ہو گا۔" لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

"میں آدم محمود کو ساری حقیقت بتادوں گی۔" اس نے زمین سے اٹھتے بے خوف لہجے میں کہا۔ وہ اپنی محبت کے لیے سٹینڈ لے گی۔

"جس روز تم یہ کرو گی اگلا سورج دیکھنا تمہارے نصیب میں نہیں ہوگا۔" دھمکی آمیز لہجے میں کہہ کر وہ جاچکے تھے۔ عائشہ کے مان کو توڑ کر۔ عائشہ کی خواہش کو روند کر۔ عائشہ کی محبت کو چھین کر۔

اس نے آج تک سنا تھا کہ ان کے خاندان میں بیٹیوں کو بیٹوں پہ فوقیت دی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت تو اس کے برعکس نکلی تھی۔ ان کے خاندان میں بیٹیوں کو خود پہ قربان کیا جاتا تھا۔

☆☆☆

سفید ماربل لگے اس کمرے میں دوائیوں کی بو نتھنوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔ بستر پہ بچھی سفید چادر پہ لیٹے وجود کے بر نولا لگے سفید ہاتھ میں قطرہ قطرہ

مائع رگوں میں سے گزرتے ہوئے خون میں تحلیل ہو رہا تھا۔مائع کے جسم میں گھسنے پہ نحیف اور کمزور وجود کی صحت کچھ بہتر ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

اس وجود کی آنکھیں بند تھیں مگر اس کے لب ہولے سے حرکت کر رہے تھے۔

"بابا میں زندہ لاش بن جاؤں گی۔"

بھولے بھٹکے ماضی کا کوئی جملہ ان کے لبوں سے ادا ہونے کی دیر تھی اور ان کے سراہنے بیٹھے دانیال کمال ریت کی طرح بکھر گئے، پانی کی طرح بہہ گئے۔سامنے لیٹی عائشہ کی زبان نے ماضی کا وہ جملہ دہرا کر انہیں پل بھر میں خالی کر دیا۔ایک آنسو ٹوٹ کر ان کے رعب دار چہرے پہ پھیلا۔دانیال کمال کے چہرے پہ جیسے کسی نے تھپڑ دے مارا تھا۔اتنی تکلیف، اتنی اذیت تھی سامنے والے کے لہجے میں کہ وہ اپنی جگہ منجمند ہو گئے۔ماضی میں وہ اس کی تکلیف محسوس نہ کر پائے تھے مگر اب۔۔۔اب وہ ڈھے گئے تھے۔اپنی غلطیوں پہ شرمسار ہو رہے تھے۔

"یہ کیا ہو گیا مجھ سے عائشہ؟ یہ کیا کر دیا میں نے؟"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

بے ہوشی کی حالت میں ڈوبی اپنی بیٹی کے بالوں کو سہلاتے وہ نم لہجے میں کرب زدہ بولے۔

"میں نے تمہاری زندگی تباہ کر دی عائشہ۔"

وہ اعتراف کر گئے۔ وہ اعتراف جو وہ برسوں سے خود سے بھی نہ کر پائے تھے۔ آج بیٹی کی اس حالت نے ان سے وہ بھی کروا دیا۔

"مجھے معاف کر دو عائشہ۔" بر نولا لگے ہاتھ کی پشت کو چومتے اس کا نام پکارتے وہ معذرت خواہ ہوئے۔ وہ بھی کس سے؟

اس بیٹی سے جس کی خواہش کو انہوں نے اپنے حکم کے سامنے پس پشت ڈال دیا تھا۔ وہ بیٹی جس نے کبھی شکوے کا لفظ بھی زبان سے ادا نہ کیا۔ وہ بیٹی جو کبھی ان کی لاڈلی ہوا کرتی تھی۔ وہ بیٹی جس پہ ان کو مان تھا۔ انہوں نے کیا کیا اپنی اس بیٹی کے ساتھ؟

انہوں نے زیادتی کر دی عائشہ کے حق میں۔

انہوں نے اپنی بیٹی کو قربان کر دیا تھا۔

دروازہ کھولتے زخرف داخل ہوئی تو نانا جان کو ماما کا ہاتھ تھامے آنسو بہاتے دیکھ اس کے دل میں کسک اٹھی۔ وہ اپنے قدم ان کی جانب بڑھاتے ان کے مقابل آ گئی۔

دانیال کمال نے اپنا چہرہ نیچے کرتے آنسو صاف کیے پھر نور کی طرف دیکھا۔ آنسو چھپانے کی کوشش میں وہ ناکام ٹھہرے تھے۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نانا۔ میں آپ سے کہہ کر گئی تھی ماما سے اپنے اختلافات دور کر لیجئے گا۔ مگر آپ نے۔۔۔"

وہ بات کرتے کرتے رو دی۔ دانیال کمال فوری اٹھے اور اس کو بانہوں میں بھرا۔

"مجھے معاف کر دو نور۔ میں نے تمہاری ماں کے حق میں زیادتی کر دی۔" ازلی رعب مفقود تھا۔ وہ صرف ایک ہارے ہوئے شخص کی مورت دکھ رہے تھے۔

"نہیں نانا! خود سے پوچھیں آپ نے میری ماں کے حق میں زیادتی کی ہے یا اپنی بیٹی کے حق میں۔"

ان کے بازوؤں کو پیچھے ہٹاتے وہ سختی سے بولی۔

ہر بات سے لاعلم نور کو اگر یہ چیز اذیت دے رہی تھی تو ان کا کیا جو سب جانتے تھے، جو ہر شے سے واقف تھے۔

"میں کفارہ ادا کروں گا نور۔ اور تمہارے حق میں کوئی زیادتی نہیں ہونے دوں گا۔" وہ اسے یقین دلانے کی کوشش کرنے لگے۔

"سوچ لیں نانا۔ میں اگر کچھ مانگوں تو آپ دے سکیں گے۔"

جانے کس بات کے زیر اثر اس نے یہ پوچھا۔

"تم جو چاہو گی وہی ہوگا۔"

وہ فورا بولے کہ ہاں اس کفارے کو ادا کرنے کے لیے انہیں ہر شرط منظور ہے۔

"کل بات کریں گے اس پہ" سپاٹ تاثرات سے کہتے وہ اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوئی۔

تو ثابت ہوا تھا زخرف نور اپنی ماں کے لیے کسی کو بھی پس پشت ڈال سکتی تھی اور کسی کو بھی اپنا سکتی تھی۔

☆☆☆

وہ زید کے ہمراہ ایک چھوٹے سے گھر میں موجود تھا جو لوئیر مڈل کلاس سوسائٹی میں بنا تھا۔ کرائے کا یہ مکان ان کا عارضی ٹھکانہ تھا۔ جہاں وہ چند دنوں کے لیے رہائش پذیر تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ زید پچھلے کچھ عرصے سے یہیں مقیم تھا مگر حدید صرف چند دنوں کے لیے ہی یہاں ٹھہرا تھا۔ سیکیورٹی ایشو نہ ہوتا تو وہ کبھی اس فضول انسان کے ساتھ نہ رکتا۔ جو ہر وقت فضولیات میں گم رہتا تھا۔

گھر میں داخل ہوا جائے تو بغیر ڈیوڑھی اور صحن کے سیدھا جا کر ایک ٹی وی لاونج موجود تھا جہاں بڑی ایل ای ڈی دیوار پہ نصب تھی۔ سامنے تھری سیٹر صوفہ

موجود تھا جس پہ زید نائک بڑی فراغت سے بیٹھا دیکھا جا سکتا تھا۔اس کے سامنے ایک شیشے کی میز دھری تھی جس پہ پارپ کارن کا ایک باول موجود تھا۔ جس کو وہ دھر ادھر کھانے میں مگن تھا۔

اس سے چند قدم کی مسافت پہ چھوٹے اور تنگ اوپن کچن میں کھڑا حدید اپنے اور اس کے لیے کھانا بنا رہا تھا۔ جو ٹی وی پہ چلتے شو کو منہمک انداز میں دیکھ رہا تھا۔ یوں جیسے ابھی وہ اس شو سے کچھ دریافت کرنے والا ہو۔

"حد ہوتی ہے زید۔ سامان بھی پورا نہیں لے کر آئے۔"

نیلی ہائی نیک کے بازو کہنیوں تک چڑھائے، سرخ اپرن باندھے آدھے ادھورے لوازمات سے پاستا بنانے کی تگ ودو میں حدید اکتا چکا تھا۔ چہرے پہ بیزاریت صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ ڈبوں میں موجود چیزیں اتنی پرانی معلوم ہو رہی تھیں کہ حدید کا دل نہ کیا کہ وہ ان کو استعمال کرے۔ پتا نہیں یہ لڑکا ایسے سامان کو گھر میں کیسے رکھ کر بیٹھا تھا۔ اصل وجہ تو یہ تھی کہ زید نائک نے گھر میں کھانا بنانا ہی نہیں ہوتا تھا

اسی لیے پرانے کرایے دار کے سامان کو بھی اٹھانا ضروری نہ سمجھا۔کچن کی حالت دیکھ کر وہ کہہ سکتا تھا کہ یہ نمونہ شاید کچن میں داخل بھی نہیں ہوتا تھا۔

"ہاں۔۔تو میری شادی تو نہیں ہو رہی امیر لڑکی سے۔" وہ تڑخ کر بولا۔لو بھلا ایک تو اس کو امیر لڑکی نہیں مل رہی تھی اوپر سے وہ ہی سنے۔نا بھئی نا

"تمہارا موضوع سخن شادی سے شروع ہو کر شادی پہ ہی کیوں ختم ہو جاتا ہے؟" کفگیر کو ہاتھ میں پکڑے ابرو اچکائے اس کی جانب مڑ کر پوچھا جو بے فکری سے پارپ کارن کھانے میں مگن تھا۔

"کیونکہ میں سنگل ہوں۔اور سنگل لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔" صوفے پہ بازو پھیلا کر بیٹھے زید نے پتے کی بات بتائی۔

"صرف تم جیسے سنگل لوگ ایسے ہوتے ہیں۔" نام کا چکن فرائی ہو چکا تھا۔آدھی ادھوری سبزیاں فرائی ہو رہی تھیں۔اس نے ساس اور سرکے کو تلاش کیا مگر نتیجہ صفر۔وہ سرد آہ بھر کر رہ گیا۔

"بیوقوف کنجوس انسان" زیر لب اسے اپنے پسندیدہ لقب سے نوازا۔

"ہاں ہاں۔ہر سنگل اتنا حسین اور اچھے سینس آف ہیومر کا مالک نہیں ہوتا۔" وہ اتراتے ہوئے گویا ہوا۔بھلا اس کے حسن کی بھی کوئی حد تھی۔

"میں نے محسوس کیا ہے یہاں آکر تمہارا سینس آف ہیومر کافی اچھا ہو گیا ہے۔" اس نے جو نوٹ کیا تھا وہ بیان کیا۔وہ گلے ہوئے چکن میں فرائی سبزیاں شامل کر کے ان کو اچھے سے مکس کرنے لگا۔

"فیصل آباد میں آکر اگر سینس آف ہیومر خراب رہے تو کیا سیکھا پھر؟"

اس نے فیصل آباد کی شان میں قصیدے پڑھنے کی کوشش کی۔کیونکہ وہ پچھلے کچھ ماہ سے فیصل آباد میں موجود تھا۔اس پہ رنگ چڑھنا تو بنتا تھا۔اور بات تو ٹھیک کہی تھی اگر فیصل آباد والوں کا سین آف ہیومر خراب ہو تو انہیں فیصل آبادی کس نے کہنا؟

"تمہیں میں نے یہ سیکھنے نہیں بھیجا تھا۔" وہ تڑخ کر بولا۔ بغیر ساس اور سر کے پاستا بنتا دیکھ اسے کچھ خاص نہیں بھایا۔ بھلا ہو اس غریب کنجوس انسان کا۔ جس نے پاکستان میں یوں اس کی خاطر تواضع کی۔ اب اسے یہاں رکنے پہ افسوس ہونے لگا تھا۔ اس سے اچھا وہ کسی ہوٹل میں رک جاتا۔ کم از کم سکون سے کھانا کھا کر آرام تو کر سکتا تھا۔

"دیکھو یار علم اور ہنر جہاں سے بھی ملے لے لینا چاہئے۔" ایک نظر اس پہ ڈال کر دانشوری کا مظاہرہ کرتے کہا۔

"یہ ہنر ذرا کچن میں آ کر استعمال کرو۔" وہ کڑھتے ہوئے بولا۔ پھر تھوڑا سا چکن پلیٹ میں ڈال کر اس کا ذائقہ چکھا تو کھانسی آ گئی۔ یہاں کی مرچ کتنی تیز تھی۔ آہ خدایا

"کیا مطلب؟ تمہارے ہنر پہ زنگ لگنے دوں۔ نا بھئی ایسا ظلم زید نائک نہیں کر سکتا۔"

وہ ڈرامائی انداز میں بولا۔ تو حدید نے اسے اس کے حال پہ چھوڑا۔ اس سے بات کر کے اپنا دماغ کیوں خراب کرے وہ؟

حدید سنک کے پاس موجود ابلے ہوئے پاستا کی طرف بڑھا۔ اس نے ابلے پاستا کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھ کر ذائقہ محسوس کرنا چاہا مگر وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اتنا لوکل پاستا اور ایسا عجیب ذائقہ!

یہاں پہ آکر اس کی برداشت ختم ہوئی۔

حدید نے غصے میں ایپرن اتارا۔ اسے نہیں بنانا پاستا۔ کم از کم اس انسان کے لائے ہوئے لوازمات سے تو بالکل بھی نہیں۔

"یا تو لوازمات پورے لا کر دو وہ بھی صحیح یا میں کھانا آرڈر کر رہا ہوں۔" صوفہ پہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا جس کا اس نے کوئی خاطر خواہ اثر نہ لیا۔ اور اگر وہ اثر لے لیتا تو اسے زید نائک کون کہتا۔

"دو چیز سینڈوچز اور ایک لارج سائز پاستا" ٹی وی سکرین پہ نظریں جمائے انگلی کے اشارے سے فرمائش کی۔ تو حدید کا پارہ ہائی ہوا۔ اس ڈھیٹ انسان کو دھمکی دینا اپنا مذاق بنانے کے مترادف تھا۔

"کسی دن میرے ہاتھوں مروگے۔" وہ ہلکی آواز میں بولا کیونکہ مزید اس سے الجھنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

"میں نے سن لیا ہے۔" اس نے رازدانہ کہا۔

حدید اس کی بات کو اگنور کرتے گوگل پہ جا کر مختلف ریسٹورنٹس کی ریٹنگ دیکھنے لگا۔ کیونکہ اسے فیصل آباد کے کھانے اور ریسٹورنٹس کا بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔

وہ اسی میں مصروف تھا جب زید اس کے پاس سے اٹھا اور پھر اس کی آواز آئی۔ وہ کسی نمبر پہ کال کر کے لمبا سا آرڈر نوٹ کروا رہا تھا۔ پھر گھر کے دروازے کی طرف بڑھتے اپنے گھر کا ایڈریس بتانے لگا۔ شاید یہاں سگنل دروازے کے پاس زیادہ بہتر آتے تھے۔ حدید نے شکر کا سانس لیا۔ اسے کافی بھوک محسوس ہو رہی تھی مگر

کھانے کے معاملے میں وہ کافی پوزیسو تھا اسی لیے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اسے یقین تھا کہ زید نے اس کی پسند اور معیار کے پیش نظر ہی کھانا آرڈر کیا ہو گا۔ کھانا آرڈر کروانے کے بعد وہ کچن کی طرف بڑھا۔ شیلف پہ موجود منرل واٹر بوتل اٹھا کر چند گھونٹ بھرے۔ اور اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ چند قدم کے فاصلے پہ موجود کمرے کے باہر رکا اور حدید سے مخاطب ہوا۔

"اس کھانے کا بل تم دو گے۔" جتاتے ہوئے باور کروایا۔ کہ اتنا احسان کم ہے جو میں نے کھانا آرڈر کر دیا اب اس سے زیادہ کی مجھ سے امید مت رکھنا۔

"جیسے میں جانتا نہیں۔" حدید نے گویا اس کی کنجوسی پہ مہر لگائی۔

"امپریسو"

داد دینے والے انداز میں کہتے وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تاکہ فریش ہو سکے۔

☆☆☆

پورا دن بھوکا رہنے کے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھا کر اب وہ اپنی انمول محبت ایسپریسو کو ہاتھ میں تھامے گھونٹ گھونٹ بھر رہا تھا۔ صد شکر جو اس نے ایسپریسو ساتھ رکھ لی تھی ورنہ اب تک تو اس کا دماغ سن ہو جاتا۔ صبح سے بند دماغ جیسے کھلنا شروع ہو گیا تھا۔اس نے اقرار کیا تھا کہ ایسپریسو کے بغیر اس کی زندگی ادھوری تھی۔

اس کے ہسپتال سے لوٹنے کے بعد نہ زخرف نے اس سے رابطہ کیا تھا نہ ہی اس نے کوشش کی تھی۔ جانے کیوں لیکن وہ چاہتا تھا اس بار وہ رابطہ کرے۔اتنا حق تو اس کا بھی بنتا تھا۔

چھوٹی میز پہ کپ رکھ کر اس نے اپنا فون پکڑا۔کونٹیکٹ لسٹ کھولی۔

"زی این" پہ کلک کیا تو اس کا نمبر جگمگانے لگا۔وہ الگ بات تھی کہ اسے اس کا رابطہ نمبر بھی حفظ تھا۔رابطہ استوار کرنے کو ایک کلک کافی تھا۔مگر وہ چاہ کر بھی مزید ایک بٹن دبانے سے قاصر تھا۔

"تم اس کے لیے اہم نہیں ہو۔"

www.novelsclubb.com

دھیمی بڑبڑاہٹ میں خود کو کہتے ہوئے اس نے فون کو اوندھا کر کے واپس میز پہ رکھ دیا اور ایسپریسو اٹھاتے گہری سوچوں میں ڈوبنے لگا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ غوطہ لگاتا کسی مخصوص بیل نے اسے روک دیا۔ اس نے بے یقینی سے اپنا فون اٹھایا۔ اس پہ "زی این کالنگ" لکھا جگمگا رہا تھا۔ یہ اس کی کال تھی۔ اس نے فوری کال اٹھائی۔ وہ اسے انتظار نہیں کروا سکتا تھا۔

"مسٹر حدید عالم؟" فون کی دوسری طرف سے مسحور کن آواز آئی۔ اس کی آواز نے حدید عالم کے اندر تک سکون بھر دیا۔

"یس" اقرار کیا کہ وہ وہی ہے جس سے اس نے رابطہ کرنے کی پہل کی ہے۔

"میں زخرف نور بات کر رہی ہوں۔"

وہ اپنا تعارف کرواتے ہوئے بولی۔

وہ کیوں بھول جاتی تھی کہ اسے کم از کم حدید کے سامنے اپنا تعارف کروانے کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے تھی۔ وہ تو اسے اس کی آہٹ سے بھی پہچان سکتا تھا۔

"معلوم ہے۔" اس نے باور کروایا مگر نور نے غور نہ کیا۔

"مجھے شادی کے حوالے سے چند شرائط ڈسکس کرنی ہیں۔ آپ بتا دیں آپ کب مل سکتے ہیں؟" پہچان ہونے کے بعد اس نے فوری اپنی کال کرنے کا جواز پیش کیا۔

"کیسی شرائط؟" وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے اچنبھے سے گویا ہوا۔

"چونکہ یہ ایک کانٹریکٹ میرج ہو گی۔ اس لیے ہمیں اپنی ترجیحات پہلے ہی ڈیسائڈ کر لینی چاہئے۔ آپ۔۔۔"

جانے وہ کیا کہہ رہی تھی مگر حدید عالم کانٹریکٹ میرج کے لفظ پہ ہی منجمند ہو گیا تھا۔ چلتے قدموں کی رفتار مدھم پڑھتے ساکت ہو گئی۔

www.novelsclubb.com

"آپ سن رہے ہیں مسٹر حدید؟"اس کی جانب سے مسلسل خاموشی پہ اس نے استفہامیہ پوچھا۔

وہ اسے "آپ" کہہ رہی تھی۔وہ اسے "مسٹر حدید عالم" کہہ رہی تھی۔کیا ان کے درمیان ہونے والی تمام ملاقاتیں حذف ہو چکی تھیں؟اس کے دل میں درد اٹھا۔

"ٹھیک ہے؟"اس نے مختلف سوال کے ذریعے اسے متوجہ کرنا چاہا۔

"ہا۔۔ہاں"اس نے اٹکتے ہوئے ہاں کہا۔

"پھر کب مل سکتے ہیں؟"

"جب آپ چاہیں۔"

بے تکلفی ختم ہوئی تھی۔حد بندی قائم ہو گئی تھی۔"تم" سے "آپ" کے اس سفر نے دونوں کے درمیان اجنبیت دوبارہ قائم کر دی تھی۔

www.novelsclubb.com

"میں آپ کو ایک کیفے کا پتہ بھیج رہی ہوں۔ وہاں آجائیے گا۔" وہ بہت سنجیدگی سے مخاطب تھی۔

"بہتر"

خدا حافظ کہہ کر وہ فون کاٹ گئی۔ اور حدید صوفے پہ ڈھے گیا۔ اپنی انمول محبت سے فراموشی اختیار کرتے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

جانے وہ اسے کس امتحان میں ڈالنے والی تھی؟

☆☆☆

ہسپتال کے کمرے میں وہ عائشہ کے سرہانے بیٹھی تھی۔ ان کی بند آنکھوں اور چہرے پہ لگنے والے زخموں کو دیکھتے وہ درد کا شکار ہو رہی تھی۔ مسلسل دوائیوں کے زیر اثر وہ بمشکل دو سے تین بار ہی ہوش میں آئی تھیں۔ اس دوران بھی سوائے حدید کے ان کی زبان سے کچھ ادا نہ ہوا تھا۔

دفعتاً دادا کمرے میں داخل ہوئے۔ اس نے چہرہ اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔

"نور کیا تم صرف اس وجہ سے اس لڑکے سے شادی کرنے والی ہو تا کہ تم اپنی ماں کے ساتھ رہ سکو۔"

محمود آغا نے سنجیدہ لہجے میں استفہامیہ کہا۔ان کی پوتی کافی سرکش واقع ہوئی تھی۔

"کیا اس سے بڑا بھی کوئی جواز ہو سکتا ہے؟"ماں کے چہرے سے نظر پھیرے بغیر جواب دیا۔

"تم نے اپنے نانا کو بتایا؟"وہ کمرے کے ایک طرف پڑے صوفہ پہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

"نہیں"یک لفظی جواب۔

"کیا مطلب؟"وہ حیرانی میں صوفے سے اٹھ چکے تھے۔انہیں تو جھٹکا ہی لگ گیا تھا۔

"میں انہیں سچ نہیں بتاؤں گی۔"اس بار اس نے دادا کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

www.novelsclubb.com

"مگر کیوں؟" اچنبھے سے استفسار کیا۔

"کیونکہ اگر میں نے ایسا کیا تو وہ اس شادی میں سب سے بڑی رکاوٹ بنیں گے۔ جبکہ مجھے جلد از جلد یہاں سے جانا ہے۔" اس نے معقول وجہ پیش کی۔ کیونکہ وہ مسٹر دانیال کمال کی رگ رگ سے واقف تھی۔

"کہاں جانا ہے؟" آنکھوں میں سوالیہ تاثرات تھے۔

"برلن"

"کیوں؟" آنکھیں سکیڑے پوچھا۔

"کیونکہ وہ وہاں رہتا ہے۔ اور مجھے وہیں رہنا ہو گا جہاں وہ ہو گا۔" اس سے ہونے والی پچھلی ملاقات کو یاد کرتے بولی۔

("میرا بزنس برلن میں ہے۔ میں زیادہ دیر پاکستان نہیں ٹھہر سکتا۔" وہ اسے اپنی ترجیحات بتاتے ہوئے بول رہا تھا۔)

"بس یہی ؟"

"مجھے اپنی شوٹنگ مکمل کرنی ہے کیونکہ میں وعدہ خلافی نہیں کرتی۔" توصیف کے ساتھ ہونے والے کانٹکریٹ کو وہ نظرانداز نہیں کر سکتی تھی۔ ایکٹنگ اس کا شوق تھا۔ وہ اوائل میں ہی اپنے لیے کوئی مصیبت نہیں کھڑی کر سکتی تھی۔

("اس نکاح کا علم کسی کو بھی نہیں ہونا چاہیے مسٹر حدید! اور میں برلن لوٹ کر اپنی بقیہ فلم شوٹ کروں گی اور ایکٹنگ کو کیئریر کے طور پہ جاری رکھوں گی جس میں آپ کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی اس پہ آپ کو کوئی اعتراض ہونا چاہیئے۔" اس نے کھل کر اپنی ترجیحات بیان کیں۔)

"تو عائشہ ؟" وہ یہ جاننے کے متمنی تھے کہ اس دوران عائشہ کو کہاں رہنا چاہیئے۔ کیا اس شخص کے پاس جس کو وہ سب جانتے ہی نہیں ؟

"ماما ہمارے ساتھ جائیں گیں۔ ان کی حفاظت اور دیکھ بھال میں خود کروں گی۔"

ماں کے ملائم بالوں کو چھوتے ہوئے محبت بھرے انداز میں کہا۔

www.novelsclubb.com

"تم لوگ کہاں رہو گے؟" وہ پریشانی اور فکر مندی کے احساس سے بولے۔

("آپ کی طرح میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس شادی کی خبر کسی کو بھی نہ ہو۔ حتیٰ کہ میرے حلقہ احباب کو بھی نہیں۔ میں آپ اور آپ کی ماما کی رہائش کا بندوبست کر دوں گا۔ آپ کو کوئی مسئلہ درپیش نہیں آئے گا۔" اس نے مدعا بیان کرتے یقین دہانی کروائی۔)

"اللہ تمہارے حق میں بہتر کرے بچہ" وہ اس کے قریب آئے اور اس کے سر پہ پیار دیا۔

"دعا کریں دادا کہ زخرف نور کو اس کی ماں واپس مل جائے۔" اپنے سر پہ دھرے ان کے جھری زدہ ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے دعا کی درخواست کی۔

"ان شاءاللہ ایسا ہی ہو گا۔" وہ پر امید بولے۔

☆☆☆

صبح سے ہی ماحول میں سردی کی شدت بڑھی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔اس پہ متضاد بادلوں نے بھی آسمان پہ ڈیرے ڈال رکھے تھے۔بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سمٹ کر وسیع ہوتے جارہے تھے۔آسمان پہ نگاہ ڈالی جاتی تو سورج دکھائی نہ پڑ رہا تھا۔البتہ اس کا نشان موجود تھا۔وقفے وقفے سے بجلی کا کوندا لپک جاتا تو کئی لوگوں کو سہما جاتا۔بارش کے ہونے کے امکانات واضح تھے۔مگر ابھی تک بارش شروع نہ ہوئی تھی۔

ان کی گاڑی دانیال کمال کے آشیانے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ڈرائیونگ سیٹ پہ حدید بیٹھا تھا جبکہ اس کے ساتھ پیسنجر سیٹ پہ زخرف موجود تھی۔

www.novelsclubb.com

سرخ ٹاپ کے ساتھ سفید جینز اور سفید جیکٹ پہنے وہ اپسرا بار بار حدید کی توجہ بھٹکا رہی تھی۔جس سے وہ یکسر لاعلم تھی۔وہ بمشکل ڈرائیونگ کی طرف دھیان مبذول کر رہا تھا ورنہ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی کی کشش ضرور اس سے کوئی حادثہ سرزد کروا دیتی۔

حتی الامکان وہ نگاہیں سامنے سڑک پہ ہی جمائے ہوئے تھا۔

پر اعتماد زخرف کئی امکانات کو سوچ رہی تھی اور اچانک اس کا چہرہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوا۔اس نے حدید کی طرف دیکھا تو نظروں کے ارتعاش سے اس نے بھی زخرف کی طرف دیکھا۔وہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہی بتا سکتا تھا کہ وہ کچھ کہنے کو لب کھولنا چاہ رہی تھی مگر پھر بند کر لیتی۔چند سیکنڈز یہی سلسلہ رہا تو حدید نے اس کی مشکل آسان کی۔

"جو کہنا چاہتی ہو کہہ سکتی ہو۔"اس کے گلابی عارضوں سے نظریں چراتے کہا۔

جانے وہ اسے اتنی حسین کیوں لگتی تھی کہ وہ اس کو زیادہ دیر دیکھ بھی نہیں پاتا تھا۔

"اگر نانا نے تھپڑ مار دیا تو برداشت کر لوگے ؟"اس نے لب کاٹتے بمشکل پوچھا۔

غالبا یہ انتہائی غیر اخلاقی سوال تھا۔مگر نتائج کی کس کو خبر تھی۔

"آپ کے ہاں داماد کو تھپڑ بھی مارے جاتے ہیں ؟"اس کی امید کے برخلاف حدید نے پرسکون سا جواب دیا۔داماد کے لفظ پہ زخرف پل بھر میں سرخ ہوئی۔اور

حدید نے دل میں اقرار کیا کہ اس کے چہرے پہ آنے والی سرخی اس کے لباس کی سرخی سے کئی درجہ زیادہ سرخ اور خوبصورتی لیے ہوئے تھی۔

"ایسی بات کرو گے تو یقیناً تھپڑ کے مستحق ہو جاوگے۔" اپنی جذباتی کیفیت کو چھپاتے اس کو جھڑک کر بولی۔ ورنہ لفظ "داماد" پہ اس کے اندر تک ہلچل ہوئی تھی۔

"کیا معلوم تمہارے نانا میرے گرویدہ ہو جائیں۔" اس نے آنکھ کا کونا دباتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔ جس پہ نور نے جھرجھری لیتے رخ موڑا۔

یہ شخص۔۔۔ہاں یہ شخص تو واقعی کسی کو بھی اپنا گرویدہ بنا سکتا تھا۔ وہ نگاہیں اپنی سائیڈ کے شیشے کے باہر دکھتے منظر کی طرف پھیر گئی۔ پاس بیٹھا شخص بہت بے تکلف ہو رہا تھا۔ بد تمیز!

تو ان کے درمیان بے تکلفی دوبارہ قائم ہو رہی تھی۔ اور وہ جلد از جلد اس تکلف کو ختم کرنے کا خواہش مند تھا۔

چند پل گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔

"آگے کونسا ٹرن لینا ہے؟"اس نے موڑ آنے پہ رخ موڑ کر بیٹھی زخرف سے پوچھا تاکہ اس قاتل خاموشی کا قتل کیا جاسکے۔

"رائٹ"اس نے راستے کو پرکھتے جواب دیا تو وہ گاڑی کو دائیں جانب موڑ گیا۔

چند لمحات بعد ان کی گاڑی دانیال کمال کے آشیانے کے اندر داخل ہوئی تھی۔وہ اپنے نانا کے گھر آچکی تھی۔

مگر اس بار وہ تنہا نہیں تھی۔اس کے ساتھ وہ بھی موجود تھا۔

اس نے گاڑی مرکزی دروازے کے باہر روکی۔پھر وہ دونوں اپنی طرف کے دروازے کھولتے گاڑی سے باہر نکلے۔گہرے سرمئی رنگ کی ہائی نیک کے ساتھ سیاہ جینز پہنے وہ اس کے برابر آکر کھڑا ہو گیا۔چہرے پہ چھائی سنجیدگی میں بھی سکون پنہاں تھا۔چال میں اعتماد تھا، وقار تھا۔

www.novelsclubb.com

چند قدم بڑھاتے وہ دروازے کے عین باہر آکر رکے۔ دونوں میں نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔

نور نے دروازے پہ دستک دینے کی بجائے سیدھا دروازہ کھولا۔ دونوں نے بیک وقت اندر قدم رکھے۔ زخرف نے حدید کے آگے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اس نے لمحے بھر کی تاخیر کیے بغیر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سامنے سے آتے برہان کی نظر نور پہ پڑی۔ وہ آگے بڑھنے لگا مگر پھر اس کی نظر حدید پہ گئی۔ ہلکی بڑھی شیو سے سجا وجیہہ چہرہ پر اعتماد تھا۔ اٹھی ناک اس کی شخصیت کو اچھا خاصا رعب عنایت کر رہی تھی۔ نور کی طرف دیکھتی ہوئی اس کی سیاہ آنکھیں پر کشش تھیں۔ وہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ پر کشش بھی تھا۔ اور کشش کے بغیر خوبصورتی تو بے مول ہوتی ہے۔

ان دونوں کو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے دیکھ برہان نے یہاں سے گم ہو جانے کی آرزو کی۔ کھینچ کر سانس لیتے ہوئے اس نے اپنا سینہ مسلا۔ آنکھیں اس منظر کو

برداشت کرنے کی سکت نہ رکھتی تھیں۔گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔قدم وجود کا بوجھ برداشت کرنے سے قاصر ہوئے۔اس نے زینوں سے ٹیک لگالی۔

نور نے ایک ملازمہ کو آواز دے کر نانا کو بلانے کا کہا مگر اس سے قبل کہ وہ دانیال کمال کے کمرے کی طرف جاتی منسٹر دانیال کمال سیڑھیاں اترتے دکھائی دیے۔ نور کو محبت اور حدید کو لاعلمی کی نگاہ سے دیکھتے وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر رہے تھے۔یہ ان کی اچھی خوراک کی ہی بدولت تھا جو وہ اب بھی توانا اور تندرست تھے۔زینے سے ٹیک چھوڑ کر کھڑے ہوتے برہان کمال نے اپنے دادا کے انداز میں عجلت اور بے یقینی دیکھی تھی۔

www.novelsclubb.com

"میرا نور" آخری زینے پہ قدم رکھتے انہوں نے باہیں کھولتے اسے پکارا تو نور، حدید کا ہاتھ چھوڑتے نانا کے پاس گئی اور ان کے سینے سے لگ گئی۔مائدہ بیگم شور کی آواز سنتے باہر آئیں تو اس منظر کو دیکھ کر ٹھ کر رہ گئیں۔انہوں نے برہان کو دیکھا جو حسرت بھرے انداز میں ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ان دونوں کو اس نے سب سے

زیادہ چاہا تھا اور ان دونوں پہ ہی وہ اپنا اختیار کھوتا جا رہا تھا۔اس کا دل کرچی کرچی ہوا۔

"نانا! آپ نے کہا تھا کہ آپ سب کریں گے جو میں کہوں گی؟"

اس نے نانا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے یقین دہانی کرنی چاہی۔ جس پہ دانیال کمال نے ہولے سے سر کو جنبش دی۔

"تو عہد نبھانے کا وقت ہو گیا ہے۔" اس نے فوری طور پہ اس یقین دہانی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔دانیال کمال کے ساتھ ساتھ وہاں موجود ہر شخص سماعت بن گیا۔جانے وہ کیا کہنے والی تھی؟

مگر کچھ بھی کہنے سے قبل وہ حدید کی طرف بڑھی۔اس کے برابر آکر کھڑی ہوئی۔ پھر بولنا شروع کیا۔

"یہ حدید عالم ہے۔میری محبت یا شاید پہلی نظر کی محبت۔ہم ایک دوسرے سے شادی کرنے کے خواہش مند ہیں۔۔۔"کیا الفاظ تھے جس کا ذائقہ ہر نفس نے اپنے حساب سے محسوس کیا۔دانیال کمال کے ساتھ ساتھ وہاں موجود سب افراد ساکت ہوئے۔وہ آگے بھی کچھ بول رہی تھی مگر حدید عالم تو لفظ "میری محبت" پہ ہی تھم چکا تھا۔وہ کیا کہہ رہی تھی؟

اگر وہ سچ بول رہی تھی تو حدید ساری عمر اس جملے کے زیر اثر رہ سکتا تھا۔اور اگر یہ جھوٹ تھا تو وہ اس کی اداکاری پہ قربان ہو سکتا تھا۔

منسٹر صاحب نے اس کی بات ٹوکی۔

"نور؟"صدمے سے بھرپور آواز میں پکارا۔

"کیا آپ اجازت دے رہے ہیں؟"وہ صاف الفاظ میں سیدھے انداز میں بولی تھی۔

www.novelsclubb.com

وہ ہمیشہ کی طرح آخر پہ ان سے اجازت مانگنے آئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ کبھی اپنی نور کو انکار نہیں کر سکتے۔

"یہ معاملات ایسے طے نہیں ہوتے نور۔" اپنی نواسی کی آنکھوں میں چھپے جذبات سے نگاہیں چراتے انہوں نے ناکام سا جواز پیش کیا۔

"یہ لڑکا کیا کرتا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ والدین؟ بہن بھائی؟ حسب نسب؟" وہ مسلسل سوالات کرتے گئے۔ان کے پاس لاتعداد جواز موجود تھے۔پرانی کہانی دہرائی جارہی تھی۔کردار تبدیل ہوگئے تھے۔مگر کیا نتائج بھی تبدیل ہونے تھے؟

"میں محبت کرتی ہوں حدید سے۔کیا یہ ایک جواز کافی نہیں؟" اس نے نہایت محبت سے حدید کو دیکھ کر کہا۔آنکھوں میں نمی کا عنصر شامل تھا۔وہ ساحرہ تھی جس کے سحر میں حدید دنیا بھول جاتا تھا۔اگر وہ جھوٹ بول رہی تھی تو وہ بے ساختہ کہہ سکتا تھا کہ اس کی آنکھیں بھی جھوٹ بولتی تھیں۔

www.novelsclubb.com

سادہ سے الفاظ میں اقرار کرتے نور نے اپنے نانا کو دیکھا جن کی سماعت میں ماضی کے جملے گردش کرنے لگے۔

("میں محبت کرتی ہوں اس سے بابا۔ میں اس کی اولاد کو بھی اپنی اولاد کی طرح پالوں گی۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لقمان عالم کی بیوی بھی تھی اور اس کا بیٹا بھی ہے۔" روتے، تڑپتے، بلکتے وجود کو ان کے قدموں میں ڈھیر کیے وہ اپنی محبت کی بھیک مانگ رہی تھی۔)

"نانا میں آپ کے جواب کی منتظر ہوں۔" ان کو خاموش کھڑا دیکھ اس نے پرامید نظروں سے دیکھتے استفسار کیا۔

www.novelsclubb.com

"اگر میں انکار کردوں؟" دانیال کمال نے جواب دینے کی بجائے سوال کر ڈالا۔

جانے وہ کیا پرکھنا چاہتے تھے؟

("اگر میں مان جاؤں؟" وہ ایک ناممکن توجیہہ پیش کر رہے تھے جس سے ان کی بیٹی بخوبی واقف تھی۔)

"میں جانتی ہوں آپ اپنی نور کو انکار نہیں کریں گے۔ یہ مان ہے میرا آپ پہ جو آپ کبھی نہیں توڑیں گے۔" اس نے اترا کر کہا تو دانیال کمال کو فیصلہ لینے میں آسانی ہو گئی۔

("میں جانتی ہوں آپ مجھے زندہ دفنا دیں گے لیکن یہ شادی نہیں ہونے دیں گے۔" انہوں نے اپنی آنکھیں رگڑتے آنسو پونچھے۔)

"نور پہ سب قربان" چند الفاظ تھے اور نور کا مان سلامت رہ گیا تھا۔

تو اس بار کردار ہی نہیں نتائج بھی تبدیل ہو گئے تھے۔ اس نے سکون کی سانس خارج کی۔ یہ آخری مرحلہ تھا جو پار ہو گیا تھا۔

یہ ان کی رضامندی تھی۔ حدید نے تشکر کے احساس تلے گہری سانس بھری۔ پھر ایک نمبر پہ میسج کیا۔ ابھی چند پل ہی بیتے تھے کہ محمود آغا دو چار لوگوں کو اپنے ساتھ لیے اندر آئے۔ دانیال کمال نے اچنبھے سے ان تمام لوگوں کو دیکھا۔

"یہ کون لوگ ہیں محمود؟" انہوں نے سوالیہ انداز اپنایا۔

"نکاح خواں اور گواہ" انہوں نے آتے ہی مزید دھماکہ کیا۔ دانیال کمال نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔ یعنی وہ سب کو راضی کر کے ہی ان کے پاس آئی تھی تاکہ انکار کا کوئی جواز ہی نہ بچے۔

"ہمارا نکاح ہو گا۔ ابھی اور اسی وقت" زخرف نے علی الاعلان کہا۔ اس سب کے درمیان حدید خاموشی کا قفل لگائے کھڑا تھا۔ اسے کچھ بولنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ تنہا ہی کافی تھی سب سنبھالنے کے لیے۔ اس نے تفاخر سے زخرف کو دیکھا۔ یہی لڑکی حدید عالم کی شریک حیات بننے کے قابل تھی۔

جلد بازی میں سارے انتظامات کیے گئے۔ اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد نکاح خواں بول پڑھ رہا تھا۔ وہ پاک بول جو مضبوط ترین رشتے میں باندھ دیتے ہیں۔

"زخرف نور ولد آدم محمود آپ کا نکاح حدید عالم ولد لقمان عالم سے بعوض حق مہر پچاس لاکھ سکہ رائج الوقت طے کیا جاتا ہے کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟" نکاح

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

خواں نے کلمات پڑھے تھے یا شاید صور پھونکا تھا جس سے دانیال کمال نے زندہ رہتے موت کا مزہ چکھ لیا تھا۔انہوں نے حدید کی طرف دیکھا۔

یہ شخص کون تھا؟

یہ کیسا انکشاف تھا جس شخص کو وہ اپنی بیٹی کے لیے رد کر چکے تھے۔ان کی نواسی نے اسی کے بیٹے کو اپنے لیے چنا تھا۔

وہ خالی دماغ سے سامنے چلتے منظر کو دیکھنے لگے۔ان کی ساری حسیات کام کرنا چھوڑ رہی تھیں۔

زخرف نے اقرار کیا تو کلمات دوبارہ دہرائے گئے مگر اس بار حدید عالم سے پوچھا گیا۔اس نے ایک نظر دانیال کمال کی طرف دیکھا جن کا سانس تک اکھڑا ہوا تھا۔

ایک دکھی اور افسردہ مسکراہٹ سے اس نے ان کو دیکھا۔

پھر اس نے اپنے برابر بیٹھی زخرف کو دیکھا۔

"قبول ہے"

اس نے اقرار کیا کہ وہ زخرف نور کو اپنی بیوی کے طور پہ قبول کرتا ہے۔

"قبول ہے۔"

اس نے اقرار کیا کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا۔ کیونکہ وہ اس کا محافظ ہے۔

"قبول ہے۔"

اس نے اقرار کیا کہ وہ اسے کبھی نہیں چھوڑے گا۔

گواہان نے دستخط کیے۔ ان گواہان کی فہرست میں برہان کمال بھی شامل تھا۔ حدید کی جانب سے زخرف کے دادا اور زید گواہان تھے۔

پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے گئے۔ جہاں زخرف نے اپنی ماں کی صحت اور زندگی کے لیے دعا کی۔ وہیں حدید نے اس لڑکی کے ساتھ بننے والے اس رشتے کی بقا کی دعا کی۔

www.novelsclubb.com

نکاح کی مبارکباد کے لیے محمود آغا نے اسے گلے لگایا۔اور زخرف کے سر پہ بوسہ دیا۔ان کے بعد ہمایوں کمال آگے بڑھے۔پھر برہان کمال نے رقابت کی آگ میں جلتے اسے گلے لگایا۔ مگر لفاظی مبارکباد نہ دے سکا۔حیران کن انداز میں مائدہ بیگم نے دونوں کے منہ کو میٹھا کروایا۔زید اس سب میں خاموش بیٹھا رہا۔جانے یہ حدید کی تاکید تھی یا کوئی اور وجہ۔

ہمایوں کمال سے چند گھڑی بات کرنے کے بعد حدید نے استحقاق بھری نظر سے اپنے برابر بیٹھی زخرف کو دیکھا۔سرخ دوپٹے کے ہالے میں جگمگاتا اس کا سرخ و سفید رنگ دمک رہا تھا۔شاید اس نے پہلی بار اسے اس رنگ میں دیکھا تھا اور وہ بھی ایک مختلف نگاہ سے۔

وہ تو آدھے ادھورے سرخ جوڑے میں اسے گھائل کر رہی تھی جانے مکمل سرخ میں کیا حشر برپا ہوتا۔اس کو اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ گہرا مسکرایا۔اور زخرف نے پہلی بار اسے مکمل مسکراتا دیکھا۔وہ فوری رخ پھیر گئی۔نئے بننے والے اس رشتے

میں فطری جھجک عود آئی تھی۔پر اعتماد رہنے والی زخرف نور اس کی نگاہوں سے پہلی بار گھبرائی تھی۔اس کے دائیں جانب بیٹھا حدید اس کے دائیں رخ کو دیکھ کر دیکھتا ہی جا رہا تھا۔

وہ سوچا کرتا تھا کہ وہ اسے ہپناٹائز کرتی تھی مگر اب اس نے جان لیا تھا کہ وہ خود اس کے آگے بے بس ہو جاتا تھا۔

اس نے دل میں اقرار کیا کہ وہ مسز حدید عالم کے روپ میں اس کی دھڑکنیں منتشر کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

☆☆☆

www.novelsclubb.com